ہمارا پاکستان

الطاف شوکت

قومی کتب خانہ۔ لاہور

باردوم ——— فروری ۱۹۵۶ء

تعداد ——— ۱۰۰۰

قیمت ——— دو روپے

شیخ محمد نصیر ہمایوں پونڈ پبلیشر نے اتحاد پریس
لاہور میں چھپوا کر قومی کتب خانہ لاہور سے شائع کی،

ترتیب

اِنتساب

قیامِ پاکستان کی خاطر

شہید ہونے والی

پاک رُوحوں کے نام

دیباچہ

اِس کتاب کا اصل نام "دولت و تعمیر پاکستان" تجویز کیا گیا تھا۔ یہ نام بجائے خود کتاب لکھنے کی غرض و غایت کو ظاہر کرتا تھا یعنی دولتِ پاکستان کیا ہے؟ اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہمیں اس کی تعمیر کیسے کرنی ہے؟ صنعتی میدان میں کیونکر گامزن ہونا ہے؟ زرعی اور معدنی وسائل و ذرائع سے کیوں کر مستفید ہونا ہے؟ ہماری روزمرہ زندگی کیسی ہونی چاہئے؟ ہمیں اقوامِ عالم پر کس طرح سبقت حاصل کرنی ہے؟ آزادی کی نعمت سے مالا مال ہونے کی وجہ سے ہم پر کون کون سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ اور ان ذمہ داریوں سے ہمیں کیونکر عہدہ برا ہونا ہے؟ طباعت کے وقت موجودہ نام "ہمارا پاکستان" ایک خاص وجہ سے تبدیل کر دیا گیا۔

کتاب کی تیاری میں متعدد علمائے دین کی تصانیف اور بے شمار دیگر کتب و رسائل سے مدد لی گئی ہے۔ جہاں ضرورت پڑی اصل اقتباسات بھی درج کیے گئے ہیں۔ ان کتب و رسائل کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ درج

کرنے کی گنجائش نہیں۔ ان تمام محترم بزرگوں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔
کتاب کو بہتر بنانے کے لئے مفید مشورے شکریہ کے ساتھ قبول کئے جائیں گے۔

لاہور
مئی ۱۹۴۹ء   مؤلف

طبع دوم

"ہمارا پاکستان" دوسری بار طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
طبع دوم کے لئے قریباً ہر باب میں تازہ ترین اعداد و شمار جمع کئے گئے ہیں۔ اور دوسرے کارآمد اضافے بھی کئے گئے ہیں۔ مزید براں کتاب میں "مسلمانوں کے اوصاف" کے عنوان سے ایک نیا باب شامل کیا گیا ہے۔ طبع دوم امید ہے طبع اوّل سے زیادہ مفید اور مقبول خاص و عام ہوگی۔

لاہور
فروری ۱۹۵۶ء   مؤلف

قیامِ پاکستان

پاکستان کا تخیّل حکیم الاُمّت علّامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں بمقام الہ آباد پیش کیا، اور قائدِ اعظم محمّد علی جناح نے اپنی سرگرمی سے اس تخیّل کو حقیقت میں تبدیل کر دیا۔

۱۶۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی بنی۔ ڈیڑھ سو سال تک انگریز ہندوستان میں اپنی تجارت میں مصروف رہے۔ مگر رفتہ رفتہ انہوں نے اپنی حکومت کی بنیاد رکھ کر اپنی سلطنت کو بڑھانا شروع کیا، اور ۱۸۵۷ء میں مغلیہ سلطنت کا خاتمہ کر کے تمام ہندوستان پر قابض ہو گئے۔

ہندوستان میں دو بڑی قومیں بس رہی تھیں، ہندو اور مسلمان۔ ہندو تیس کروڑ تھے اور مسلمان دس کروڑ۔ دونوں کا اپنا اپنا مذہب تھا۔ اور اپنا اپنا تمدن۔ رفتہ رفتہ سیاسی بیداری کی لہر دوڑی اور ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد

رکھی گئی۔

وقت گذرتا گیا اور ساتھ ہی ساتھ اہلِ ہند کا آزادی حاصل کرنے کا جذبہ تیز سے تیز تر ہوتا گیا۔ آخر آزادی کی منزل قریب دکھائی دی۔

مسلمانوں نے سوچا کہ ہم جس مذہب اور جس تمدن کے شیدائی ہیں۔ وہ نہ انگریز کی حکومت میں ممکن ہے اور نہ اس کے جانے کے بعد ہندو اکثریت والے متحدہ ہندوستان میں۔ ہمارے اعتقادات اور ہماری معاشرت اور زندگی کے متعلق ہمارا نظریہ ہندوؤں سے قطعاً مختلف ہے۔ ہم ایک خدا رکھتے ہیں، ہم مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ ہم میں ذات پات کا کوئی جھگڑا نہیں، اور ہندوستان ہمیں ہمارے وطن کی حیثیت سے ایک حد تک عزیز ہے۔ ہم اس کے لئے قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ہمیں عرب اور دیگر اسلامی ممالک سے بھی وابستگی ہے۔ ہمارا قانونِ وراثت جُدا ہے۔ ہماری نماز، ہمارا روزہ، ہماری زکوٰۃ، ہمارا حج اور قوموں سے بالکل الگ ہے۔ ہماری ایک مخصوص قومی تاریخ قومی روایات اور قومی ادب ہے جس سے ہمیں دلی لگاؤ ہے، ہم ان سب کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک زندگی کی تمام قدروقیمت انہیں سے قائم ہے۔ ہمارا مطمح نظر اسلام ہے۔ ہم اس کے مطابق اپنی پبلک اور پرائیویٹ زندگی کو مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے قائدِ اعظم کی قیادت میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اپنی علیحدہ تنظیم کی اور مطالبہ پیش

کیا کہ جن پانچ صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ انہیں علیحدہ کر دیا جائے یہ پاکستان کا مطالبہ تھا۔

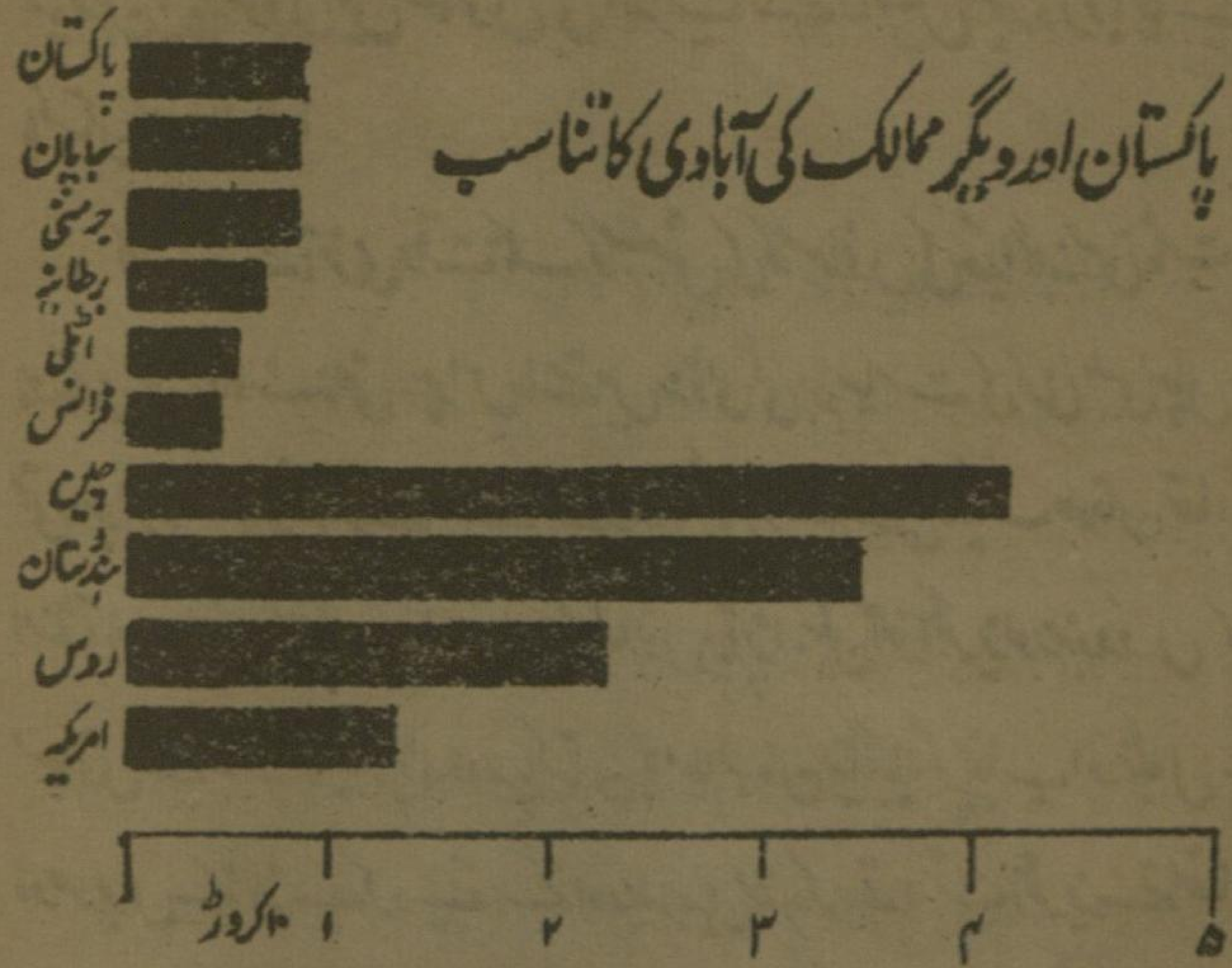
کانگرس نے آخری وقت تک کوشش کی کہ مسلمانوں کی جداگانہ ہستی ثابت نہ ہو۔ کوئی ممکن رکاوٹ نہ تھی۔ جو اس راستے میں نہ ڈالی گئی ہو سیاست کی کوئی ایسی چال نہ تھی، جو اس مطالبہ کو ختم کرنے کے لئے نہ چلی گئی ہو۔ مخالفتوں کا ایک طوفان تھا، کہ امنڈ آیا۔ مصائب کا ایک پہاڑ تھا، جو مسلمانوں پر آپڑا، لیکن آخر انگریز اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور پاکستان کا مطالبہ مان لیا گیا۔ گو پنجاب اور بنگال کے دو صوبوں کے ٹکڑے کر دیئے گئے اور سرحدیں مقرر کرتے وقت انگریز نے انصاف کی بجائے سیاسی مصلحتوں کو پیش نظر رکھا۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وقوع پذیر ہوا۔ پاکستان کی سلطنت خدا داد انڈونیشیا کے علاوہ تمام اسلامی سلطنتوں سے بڑی ہے اور دنیا کی دیگر سلطنتوں کے مقابلہ میں پانچویں درجہ پر قرار دی گئی ہے۔

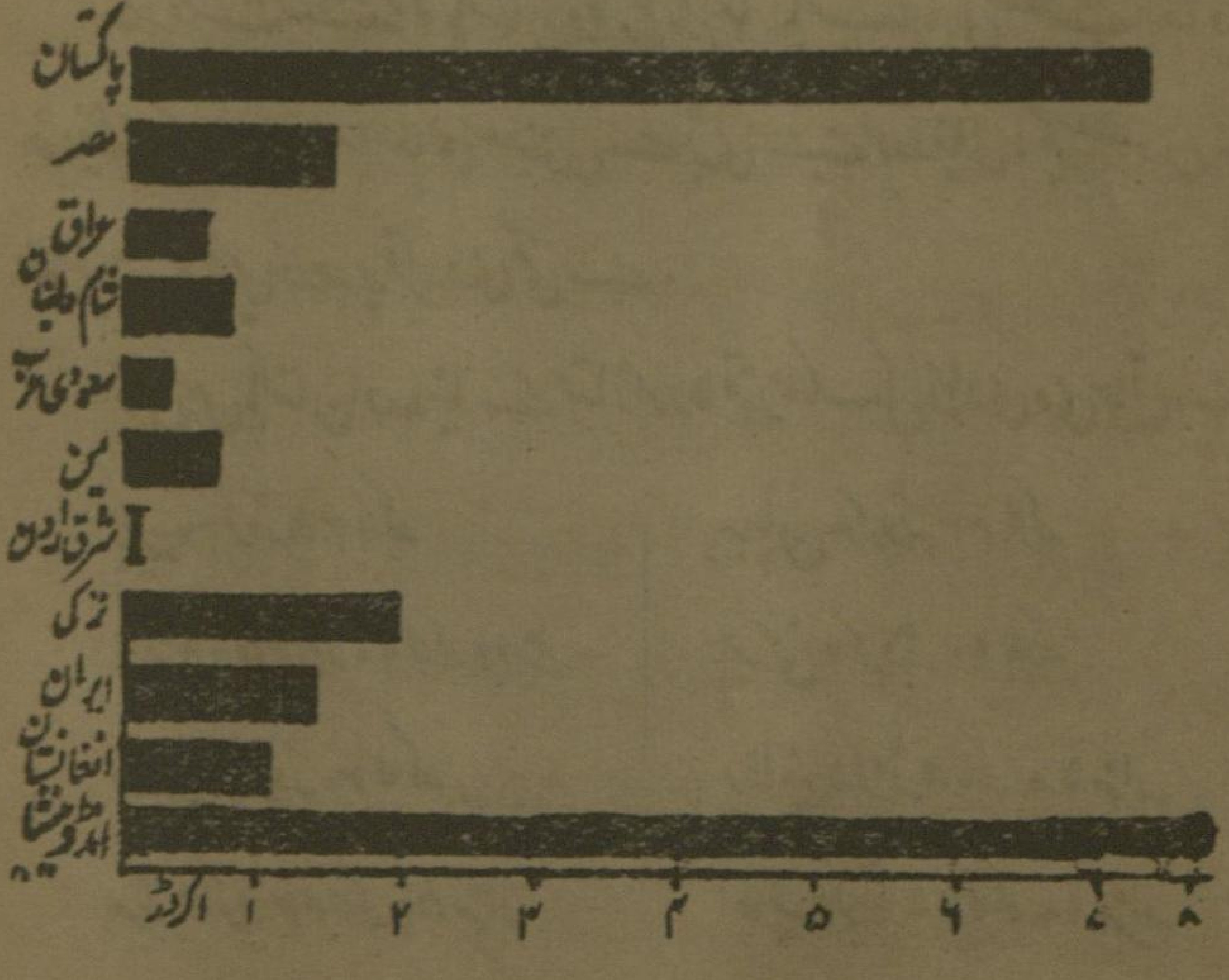
ذیل میں پاکستان اور دنیا کے ممتاز اور طاقتور ممالک کی آبادی دی جاتی ہے۔

چین ۴۷ کروڑ ۳۵ لاکھ	جاپان ۸ کروڑ ۳ لاکھ
ہندوستان ۳۵ کروڑ ۶۰ لاکھ ۹۱ ہزار	جرمنی ۷ کروڑ ۹۰ لاکھ
روس ۱۹ کروڑ ۳۰ لاکھ	برطانیہ ۵ کروڑ ۵ لاکھ ۸ ہزار
امریکہ ۱۵ کروڑ ۴۳ لاکھ ۵۲ ہزار	اطالیہ ۴ کروڑ ۶۵ لاکھ ۹۸ ہزار

پاکستان اور دیگر ممالک کی آبادی کا تناسب



پاکستان اور اسلامی ممالک کی آبادی کا تناسب



پاکستان ۷ کروڑ ۵۰ لاکھ ۴۲ ہزار	فرانس ۴ کروڑ ۲۲ لاکھ ۳۹ ہزار

اب پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کا مقابلہ کیجئے:۔

پاکستان ۷ کروڑ ۵۰ لاکھ ۴۲ ہزار	یمن ۴۰ لاکھ
مصر دو کروڑ ۰ لاکھ ۲۹ ہزار	شرقِ اُردن ۱۴ لاکھ
عراق ۴۹ لاکھ	ترکی ۲ کروڑ ۹ لاکھ ۲۵ ہزار
شام و لبنان ۵۰ لاکھ	ایران ۱ کروڑ ۰ لاکھ
سعودی عرب ۵۰ لاکھ	افغانستان ۱ کروڑ ۲۰ لاکھ

گویا انڈونیشیا کے علاوہ تمام اسلامی ممالک کی آبادی یکجا کر لی جائے تو پاکستان کی آبادی کے برابر ہوتی ہے۔

سلطنتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ دینی سلطنت یا دُنیاوی سلطنت۔ جو سلطنت مذہبی نظامِ حکومت کے ذریعہ قائم کی جاتی ہے۔ اس کو الٰہی سلطنت یا مذہبی سلطنت یا دینی سلطنت یا خلافت کہتے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ انسانی حقوق محفوظ ہوتے ہیں، اور اس میں کامل عدل ہوتا ہے۔ جو سلطنت مذہبی نظامِ حکومت کے ذریعہ قائم نہیں ہوتی اس سلطنت کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ ملک میں ہلچل، افراتفری، آپادھاپ قتل و غارت اور بدامنی واقع نہ ہو تاکہ دنیوی راحتیں حاصل ہو سکیں۔ اس قسم کی سلطنت دنیوی سلطنت کہلاتی ہے۔

دنیوی سلطنت اور دینی سلطنت کا مابہ الاشتراک یہ ہے کہ دونوں امن و سکون

قائم کرنے کی خواہاں ہوتی ہیں۔ اور مابہ الامتیاز یہ ہے کہ دینی یا مذہبی سلطنت انسان کو اس کے فطری حقوق دلانے اور حقیقی عدل و انصاف قائم کرنے اور ظلم و زیادتی روکنے کی غرض سے قائم ہوتی ہے، اور دنیوی سلطنت عموماً ایک طاقتور شخص یا ایک طاقتور خاندان یا ایک طاقتور جماعت، یا ایک طاقتور قوم کے اغراض کو مقدم رکھ کر دوسرے اشخاص جماعتوں اور اقوام کو جو کمزور اور ناتواں ہوں، طاقتوروں کی فرمانبرداری پر مجبور کر دینے کے لئے قائم ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ پاکستان کا قیام ہی ایک دینی سلطنت قائم کرنے کی خاطر ہوا ہے۔ یہی اس کا انوکھا پن ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ مذہب اسلام انسان کو سعادتِ انسانی سے ہمکنار کرنے اور اس کو اس کے مقصودِ حیات تک پہنچانے کے لئے ایک مکمل و روشن قانون ہے۔ اسلام نے دنیا کے سامنے جس تمدن کو پیش کیا، وہ انسانیت کے لئے فطری اور مکمل ہے۔ سابقہ قوموں کے تمدن کے نقائص سے پاک و صاف ہے۔ اس میں انسان کی قیامت تک کی تمام ضروریات شامل ہیں، اس میں اقتصادی ذرائع کے پیدا کرنے، تجارت و صنعت کرنے، عامۃ الناس کو خوشحال بنانے اور ترقی اور حفاظت کے سامان بہم پہنچانے کے اصول موجود ہیں، اسلام ان وسائل کو صرف تعلیم کے ذریعہ ہی پیش نہیں کرتا، بلکہ شارعِ اسلام ؐ، صحابہ کرام ؓ اور بزرگانِ دین کے مشاغلِ زندگی عملی نمونہ پیش کرتے ہیں، اور اس امر کا ثبوت ہیں کہ اسلام کی تعلیم محض فلسفیانہ نظریے

ہی نہیں ہیں بلکہ ہر شخص کے لئے قابلِ عمل ہے۔

قیامِ پاکستان سے پہلے ہم غلام تھے۔ اب آزاد ہیں۔ یقیناً ہم میں پہلے کی نسبت کچھ تبدیلی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اب ہمیں اپنی ذہنیت بدلنی ہے نگاہ کا زاویہ بدلنا ہے۔ سوچنے کا طریقہ بدلنا ہے۔ زندگی کا طرز بدلنا ہے۔ اخلاق کی دُنیا بدلنی ہے۔ عادات و خصائل بدلنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو سلطنت کا مالک بنایا جاتا ہے تو وہ نیک باتوں پر عمل کرنے اور بُرے کاموں سے بچنے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

دُنیا کی زندگی میں ہر وقت ہر معاملہ میں خدا سے خوف کھانا، اس کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھنا، اس کے قانون کی پیروی کرنا، ہر ایسے فائدے کو ٹھکرا دینا جو اس کی نافرمانی سے حاصل ہوتا ہے، اور ہر ایسے نقصان کو گوارا کر لینا جو اس کی فرمانبرداری میں پہنچے، یہ خدا کی عبادت ہے۔ اس طریقہ کی زندگی سراسر عبادت ہی عبادت ہے۔ حتیٰ کہ ایسی زندگی میں کھانا پینا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا سب کچھ داخلِ عبادت ہے۔ ہمیں اسی قسم کی زندگی بسر کرنا ہے اور پاکستان کو صحیح اسلامی بنیادوں پر اُٹھانا ہے۔ ہماری ہر بات، ہر فعل اور ہر حرکت سے اسلام کی روح ٹپکنی چاہیئے۔

پاکستان اُس وقت اور صرف اُس وقت صحیح پاکستان بن سکتا ہے

جب اس کا ہر ایک کہنے والا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی ذمہ داریوں کو محسوس کرے، اس لئے ہمیں قرآنِ مجید اور سنتِ رسول اللہ کو اپنا دستور العمل بنانا ہے۔ جدید ترین وسائلِ ترقی کو اسلامی ہدایات کے ماتحت کام میں لاکر میدانِ ترقی میں گامزن ہونا ہے۔ ہمیں ایک پودا لگانا ہے جسے دل سوز محنت اور شفقت کے ساتھ ایک تناور درخت بنانا ہے۔ تاکہ اس کے سائے میں خلقِ خدا بہشت کی راحت و آسائش پائے۔ اور مالکِ حقیقی کے الطاف و افضال کے شکر میں ترانہ ریز ہو۔

دولت پاکستان کیا ہے؟ اور ہمیں اس کی تعمیر کیسے کرنی ہے! ان سوالوں کے جوابات آئندہ اسباق میں پیش کئے گئے ہیں ؛

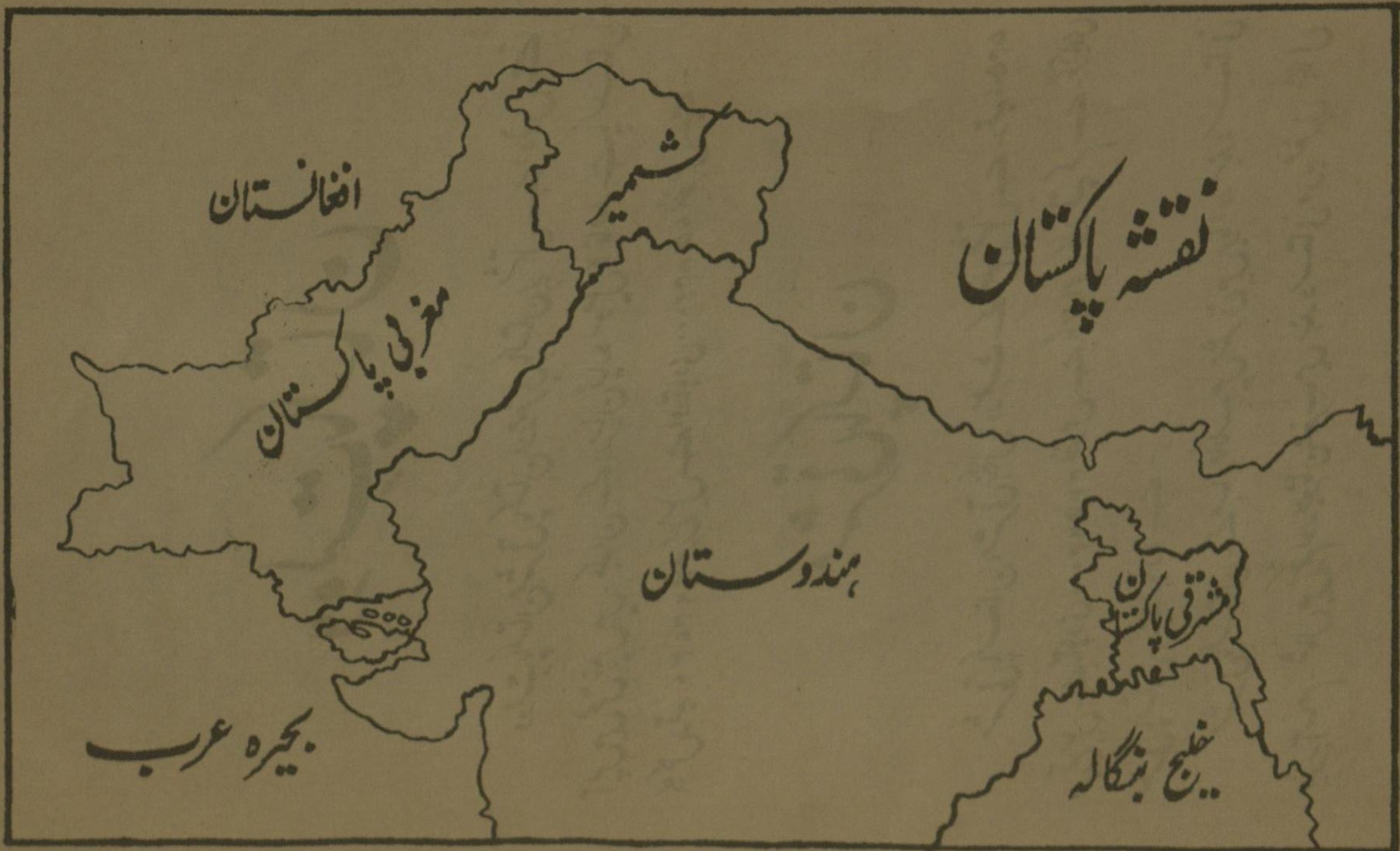
دولتِ پاکستان

دولتِ پاکستان مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان پر مشتمل ہے دونوں حصے آپس میں ملحق نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے درمیان گیارہ سو میل کا فاصلہ ہے۔ پاکستان کا کل رقبہ ۳۶۴۷۳۷ مربع میل ہے اور آبادی ۷۵۸۴۲۰۰۰ نفوس ہے۔

مشرقی پاکستان

مشرقی پاکستان، مشرقی بنگال اور سلہٹ کے ضلع پر مشتمل ہے۔ رقبہ ۵۴۵۰۱ مربع میل ہے۔ آبادی ۴۲۰۶۲۰۰۰ نفوس ہے اگرچہ اس کا رقبہ کم ہے۔ مگر آبادی مغربی پاکستان سے زیادہ ہے۔

مشرقی پاکستان کے ہمسایہ ممالک میں مشرق میں برما اور ہندوستانی صوبہ آسام۔ شمال میں سکم اور بھوٹان مغرب میں ہندوستانی صوبہ مغربی بنگال


نقشہ پاکستان
افغانستان
کشمیر
مغربی پاکستان
ہندوستان
مشرقی پاکستان
بحیرہ عرب
خلیج بنگالہ

اور جنوب میں خلیج بنگالہ ہے۔ بیشتر حصہ میدانی علاقہ ہے۔ صرف جنوب مشرق میں چٹاگانگ کا علاقہ پہاڑی ہے۔

مشرقی پاکستان سنہرا دیس ہے۔ سالانہ بارشوں کے بعد جب دریاؤں کی طغیانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ تو یہاں سے وہاں تک سنہری ریت اور مٹی پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ زمین بہت زرخیز ہوتی ہے۔ یہاں کے دھان کے کھیت جب لہلہاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمین سے سونا اُگ رہا ہے۔ سن کے ریشے سنہری تاروں کے گچھے نظر آتے ہیں جب دریاؤں کے کناروں پر سورج غروب ہوتا ہے۔ تو حد نظر تک پگھلا ہوا سونا موجیں مارتا نظر آتا ہے حتےٰ کہ کسانوں اور ملاحوں کی جلد بھی سنہری دکھائی دیتی ہے۔ اسی لئے مشرقی پاکستان سچ مچ سنہرا دیس ہے۔

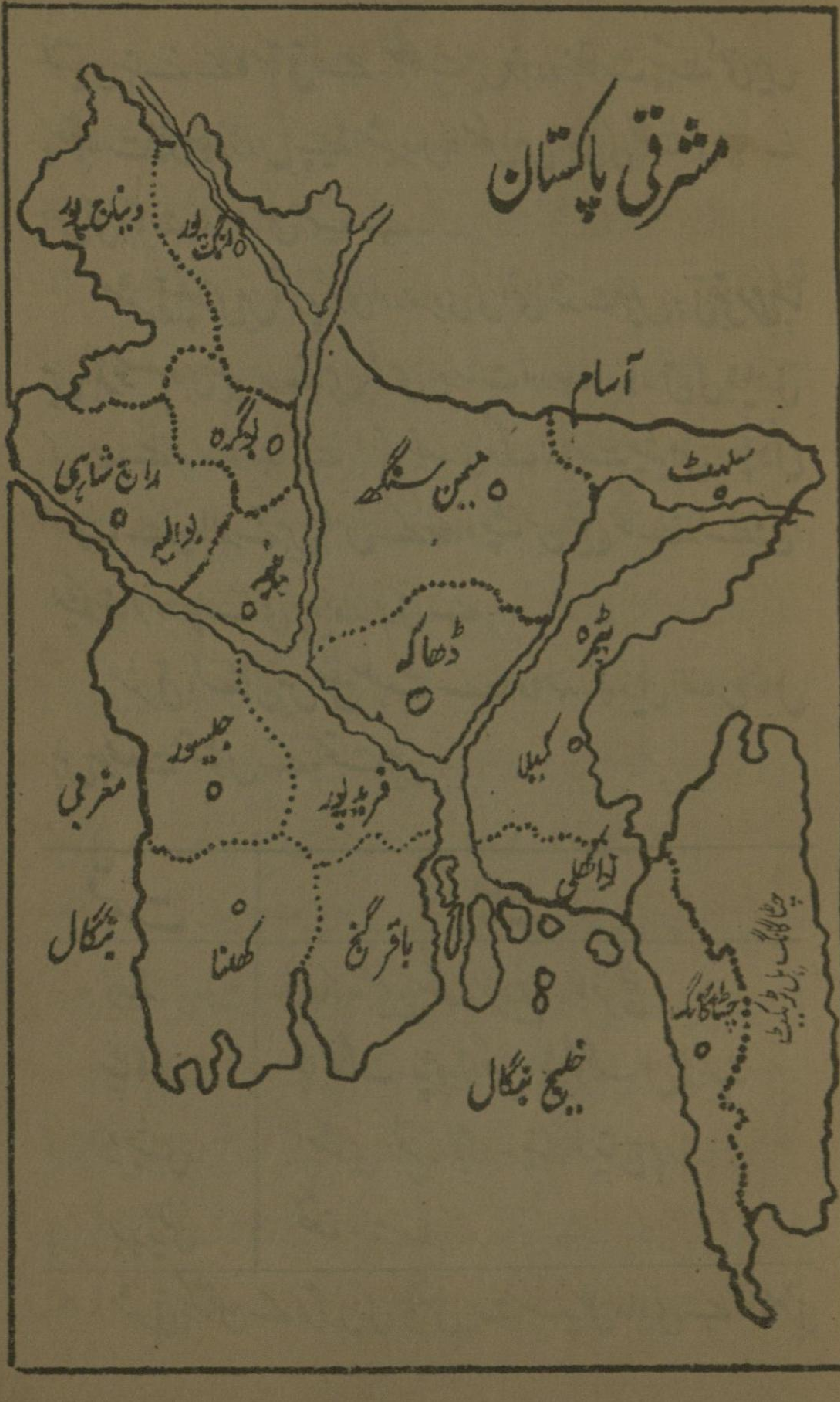
اس سرزمین میں تین بڑے دریا برہمپتر، پدما اور مگھنہ چاندپور سے اکٹھے مل کر خلیج بنگال تک آتے ہیں۔ پھر تینوں علیحدہ علیحدہ سمندر میں مل جاتے ہیں، یہاں ان کے دہانوں پر چھ چھوٹے جزیرے بن گئے ہیں، جن کا رقبہ ایک ہزار مربع میل ہے۔ ان میں سب سے بڑا جزیرہ شہباز پور ہے۔ مغربی بنگال سے راج محل کی پہاڑیاں اسے جدا کرتی ہیں،

یہاں کے قدیم باشندوں نے اسے جادو کا ملک کہا ہے۔ اور مشہور تھا کہ جو ایک مرتبہ اس گلشن کو دیکھ لیتا۔ واپس جانے کا نام نہیں لیتا تھا۔ چینیوں

نے اسے "قدرت کی شکارگاہ" کہا تھا۔ مسلمانوں نے اسے جنت البلاد کے نام سے موسوم کیا۔ شاہ جہان نے اسے "باغات اور دریاؤں کا ملک" کہا ہے۔ صدیاں گزر گئیں۔ کتنی قومیں آئیں۔ اور ختم ہو گئیں۔ عالیشان عمارتیں و دیگر پرشکوہ محلات کھنڈر ہو گئے، مگر قدرت نے اس سرزمین کو جو لازوال حسن عطا کیا ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

گوڑ۔ سنار گاؤں۔ پانڈوا۔ ڈھاکہ۔ مرشد آباد۔ یہ پانچ مقامات ہیں جو مختلف ادوار میں مسلمانوں کے مختلف خاندانوں کے دارالسلطنت رہے۔

ڈلٹا کے علاقہ میں ایک ایک ضلع میں ایک ایک ہزار ندیاں ہیں۔ ہندی ہر شخص کے مکان کے قریب ہوتی ہے۔ چونکہ زمین شاداب ہے۔ اور روئیدگی بہت ہے اس لئے ان کے پرنے میں کوئی وقت نہیں ہوتی۔ پھلوں میں ناریل اور اناناس کے چند درخت قریباً ہر گھر میں ہوتے ہیں۔ آم کے باغات بھی کثرت سے ہیں، بکریاں اور گائیں دیہات میں عام طور سے پالتے ہیں، فصل کی مدت بہت کم ہے۔ صرف تین چار مہینے میں ایک فصل کاٹ لیتے ہیں۔ دریا اور ندیاں نہ صرف زمین کو زرخیز بنانے اور آبپاشی کے لئے مفید ہیں۔ بلکہ سال کا بیشتر حصہ یہ نہایت اہم ذریعہ آمد و رفت ہیں۔ چاٹگام کی پہاڑیاں جنگلات سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ جن میں بانس، سال اور مختلف اقسام کی عمارتی لکڑی بکثرت ہے۔ ایک درخت سندری پایا جاتا ہے جس کی لکڑی



مشرقی پاکستان
دیناج پور
رنگ پور
بوگرہ
راج شاہی
پبنہ
آسام
سلہٹ
میمن سنگھ
ڈھاکہ
ٹپرہ
جیسور
فرید پور
کمیلا
نواکھلی
مغربی
بنگال
کھلنا
باقر گنج
چٹاگانگ
خلیج بنگال

کشتیاں بنانے کے کام آتی ہے۔ جنگلات میں خودرو نباتات بہت گھنی ہیں یہ جنگلات جنگلی جانوروں چیتے، شیروں کا مسکن ہیں۔ پانی کی قلت کی بجائے اس کی بہتات کا مسئلہ حل طلب ہے۔

مشرقی پاکستان میں اگرچہ گرمی اور سردی کی اتنی شدت نہیں ہوتی جتنی مغربی پاکستان میں، مگر موسم وہی تین ہوتے ہیں۔ گرمی، برسات اور جاڑا۔ بارش کی زیادتی کی وجہ سے ہوا مرطوب ہے۔ اسی فیصدی لوگ زراعت پیشہ ہیں۔ چاول کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ پٹ سن، تیل نکالنے والے بیج، نیشکر، تمباکو اور چائے کی پیداوار ہوتی ہے۔

مشرقی پاکستان میں ضلع سلہٹ کے علاوہ مندرجہ ذیل اضلاع شامل ہیں جو مختلف قسمتوں کے ماتحت ہیں:-

قسمت	ضلعے
ڈھاکہ	ڈھاکہ - میمن سنگھ - فرید پور - باقر گنج
چٹاگانگ	چٹاگانگ - ٹپرہ - نواکھلی - چٹاگانگ ہل ٹریکٹ
راجشاہی	راجشاہی، رنگپور - بوگرہ - پبنہ - دیناج پور
پریزیڈینسی	کھلنا - جیسور

مشرقی پاکستان کے لوگوں کی رہائش بہت سیدھی سادی ہے۔ وہ مغربی

پاکستان کی طرز کے مکانوں میں نہیں رہتے بلکہ علیحدہ علیحدہ جھونپڑیاں بناتے ہیں۔ جو اکثر بانس کی ہوتی ہیں۔ اُوپر سے مٹی کا پلستر کیا ہوتا ہے۔ عورتوں کا لباس ساڑی اور مردوں کا دھوتی اور لنگی ہے۔ ان کا عام کھانا چاول اور مچھلی ہے مچھلی ہر ندی میں افراط سے ملتی ہے۔ لوگ قریب کی ندی سے مچھلیاں پکڑ لاتے ہیں۔ راجشاہی کے علاقہ میں ندیاں کم ہیں۔ وہاں لوگ تالابوں میں مچھلیاں پالتے ہیں۔ زمین شاداب ہے۔ اس لئے ہر شخص اپنے مکان کے قریب سبزی بوتا ہے۔ ناریل اور انناس کے چند درخت تقریباً ہر گھر میں ہوتے ہیں۔ آم کے باغات بھی کثرت سے ہیں۔ پٹ سے کاشت کا رواج ہے۔ عورتیں مردوں سے زیادہ کام کرتی ہیں۔ گھر کے کام کاج کے علاوہ فصلوں کو تیار کرنے میں بھی مردوں کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ شادی بہت کم سنی میں ہو جاتی ہے۔ تعلیم کا عام شوق ہے۔

مشرقی پاکستان رقبہ کے لحاظ سے تمام پاکستان کا ⅐ حصہ ہے۔ لیکن اس میں پاکستان کی ساٹھ فیصدی کے قریب آبادی بستی ہے۔ یہاں ۷۰۰ آدمی فی مربع میل رہتے ہیں۔ گنجان آبادی اس کی زرخیزی کا ثبوت بھی دیتی ہے۔ کیونکہ ہر مربع میل کو پونے آٹھ سو آدمیوں کی خوراک پیدا کرنا ہوتی ہے۔

سلہٹ اور چٹا گانگ کی مشرقی جانب چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کی بلندی تین ہزار سے چار ہزار فٹ تک ہے۔ ان پر گھنے جنگلات ہیں اور کئی دریا بہتے ہیں۔ جن میں دریائے کرنافولی سب سے

بڑا ہے، اور کئی آبشاریں بناتا ہوا خلیج بنگالہ میں گرتا ہے۔ چٹاگانگ کی بندرگاہ اسی دریا پر واقع ہے۔ ضلع میمن سنگھ میں یہ پہاڑیاں شرقاً غرباً ہو جاتی ہیں اور ان پر چائے کی کاشت ہوتی ہے۔

ڈھاکہ

ڈھاکہ سنہرے دیس کا دارالحکومت ہے۔ آبادی ۲۷۴۳۵۹ ہے

ڈھاکہ بڑا شہر تھا، ہزار سال پہلے بھی بڑا شہر تھا۔ ڈھاکہ کے باشندے یہ ماننے کو تیار نہیں۔ کہ اسے ۱۶۰۸ء میں بنگال کے گورنر اسمٰعیل خاں نے آباد کیا۔ ان کی رائے میں جادو کا یہ شہر ہزاروں برس سے یونہی چلا آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس شہر میں ترین بازار تھے، باون گلیاں تھیں۔ بڑے بڑے کنڈ تھے۔ تالاب تھے۔ اور ان کے گرداگرد تاڑ اور ناریل کے اونچے اونچے درخت تھے مالتی کے جھنڈ تھے۔ راج محل کے سامنے کالے بادلوں جیسے ہاتھیوں کی قطاریں ہوتی تھیں۔ جن کے قدموں کی دھمک سے دھرتی ڈولتی تھی۔

ڈھاکے کے چہرہ پر جھریاں پڑی ہوئی ہیں، کمر جھک گئی ہے، گالوں پر آنسوؤں کے نشان صاف نظر آرہے ہیں۔ لیکن اس کی گردن نہیں جھکی۔ وہ اسی طرح اکڑی ہوئی ہے اور وہ مسجدوں کے میناروں اور محلوں کے کھنڈروں سے گھرا ہوا اس طرح سر اٹھائے کھڑا ہے۔ جیسے زمانے کی رنگا رنگیوں، بوقلمونی، دکھوں اور مصیبتوں کے باوجود اس کی روح غیر مفتوح ہے۔ اور ہمیشہ غیر مفتوح

رہے گی۔

ڈھاکہ پرانی مسجدوں، ٹوٹے ہوئے محلوں، قدیم باغات تاریک کوچوں اور پُر اسرار گلیوں کا شہر ہے محلوں کی شہ نشینوں کا پلستر اکھڑ گیا ہے۔ ان کی دیواروں پر کائی اُگ آئی ہے۔ ان کے جھروکے اور غرفے بے نور آنکھوں سے دھان کے کھیتوں اور بل کھاتے ہوئے راستوں کو تک رہے ہیں۔

بنگالے کے دیگر شہر جو کبھی دارالسلطنت تھے۔ ایسے بے نام و نمود ہوئے کہ ان میں سے بعض آجکل معمولی قصبات رہ گئے ہیں۔ لیکن ڈھاکہ ہر عہد اور ہر دور میں بانام و نشان رہا۔ اس کا سبب کچھ تو ڈھاکہ کی جغرافیائی اہمیت ہے۔ اور بہت کچھ ڈھاکہ کا صنعت کارانہ کمال۔

ململ کے ساتھ ڈھاکہ کا نام ایسا وابستہ ہے۔ کہ رہتی دنیا تک اس کی جوڑ نگی دور نہیں ہو سکتی۔ چار ہزار سال پیشتر ڈھاکے سے کپڑا تیار ہو کر مصر میں جاتا تھا۔ چھٹی اور ساتویں صدی میں برطانیہ اور فرانس کے امرار ڈھاکہ کی ململ کو بڑے شوق سے پہنتے تھے۔ ڈھاکے کی ململ کا شمار عجائبات میں ہوتا تھا۔ کئی تھان دیا سلائی کی ڈبیا میں بند ہو جاتے تھے۔ لیکن اس کے اقسام تن زیب، شبنم، آب رواں، طرح اندام، جامدانی وغیرہ یہ سب کے سب عہد مغلیہ کی یادگار ہیں۔ شبنم نام اس لئے پڑا۔ کہ اس ململ کو گھاس پر بھیگا پھیلا دیا جاتا۔ تو نظر ہی نہ آتی تھی۔ اس طرح آب رواں کو بہتے پانی پہ پھیلا دیا جاتا۔ تو نظر نہ آتی۔ تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جہانگیر کے وقت سے

آخیر عہدِ مغلیہ تک شاہی استعمال کے لئے کپڑوں کا یہاں ایک کارخانہ تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب بنگال میں قدم جمائے۔ تو ان کی دراز دستیوں کی وجہ سے یہ صنعت ختم ہو گئی، دراصل انگریز تاجر جانتے تھے۔ کہ جب تک ڈھاکے کی ململ موجود ہے۔ اس ملک میں ولایتی کپڑے کی تجارت پنپ نہیں سکتی، اس لئے انہوں نے ڈھاکے کی ململ کو مٹا کے ہی دم لیا۔ اور اس سلسلے میں کاریگروں پر سخت ظلم بھی کئے۔ ڈھاکے کی مرطوب آب و ہوا پارچہ بافی کے لئے بہت موزوں ہے۔ اس میں تار نہیں ٹوٹتا۔

کہا جاتا ہے شہر آباد ہونے سے پیشتر یہاں ڈھاک کے درختوں کی کثرت تھی، اس لئے یہ شہر ڈھاکے کے نام سے موسوم ہوا۔

چٹاگانگ

ہندوستان کی تقسیم سے پہلے چٹاگانگ کو بندرگاہ کے اعتبار سے خاص اہمیت حاصل نہیں تھی۔ مگر پاکستان کے قیام کے بعد اسے نہ صرف بے حد اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ بلکہ روز بروز ترقی کر کے مشرقی پاکستان کی سب سے بڑی بندرگاہ کا درجہ حاصل کر رہی ہے۔

چٹاگانگ کی تاریخ سینکڑوں برس کی ہے۔ اس نے بیشمار شاہی خاندانوں اور سلطنتوں کا عروج و زوال دیکھا ہے۔ صدیوں پہلے چین کے تجارتی بیڑے چٹاگانگ میں آیا کرتے تھے۔ اور اپنے جہاز خالی کر کے مطلوبہ اشیا لے کر

واپس ہو لیتے تھے۔ بارہویں صدی عیسوی میں بغداد اور بصرہ کے عرب اکثر اوقات اس بندرگاہ میں آیا کرتے تھے۔ چودھویں صدی میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔ سولہویں صدی کے آغاز میں پرتگالی تاجروں کی آمد شروع ہو گئی لیکن ان کا تجارتی کاروبار زیادہ تر چھاپہ مارنے اور چوری کرنے تک محدود رہا کئی برس کے بعد وہ اس بندرگاہ سے تجارتی تعلقات استوار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور انہوں نے جہازوں کی باقاعدہ سروس شروع کی۔

۱۵۸۲ء میں مغلوں نے پرتگیزوں کو اس بندرگاہ سے نکال کر یہاں ایک آزاد حکومت قائم کی۔ پرتگیزوں نے دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے کئی بار حملے کئے مگر ناکام رہے۔ جب ان کی فتنہ انگیزیاں انتہا کو پہنچ گئیں۔ تو ۱۶۶۵ء میں بنگالہ کے مسلمان گورنر نے ان کی سرکوبی کے لئے فوج روانہ کی، یہ مہم بہت کامیاب رہی۔ چٹاگانگ کی بندرگاہ کو "اسلام آباد" کا نام دے کر بنگال کے علاقہ میں دوبارہ شامل کر لیا گیا۔ ۱۷۶۰ء تک یہ بندرگاہ مغلوں کے قبضہ میں رہی۔ آخر نواب میر قاسم نے اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا۔ انگریزوں کے چونکہ کلکتہ میں سیاسی مفاد موجود تھے۔ اس لئے ان کے عہدِ حکومت میں چٹاگانگ سے سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا گیا۔ جوں جوں کلکتہ کی رونق بڑھتی گئی۔ چٹاگانگ کی بندرگاہ پر گمنامی کا پردہ پڑتا گیا۔

قیام پاکستان کے بعد چٹاگانگ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ

ہوا ہے خزاں کے دن بیت چکے ہیں۔ موسم بہار کی آمد دوبارہ شروع ہو گئی ہے۔ چہرے کی جھریاں مفقود ہو رہی ہیں۔ رنگ نکھر رہا ہے۔ خمیدہ کمر سیدھی ہو رہی ہے۔ بڑھاپے کے آثار زائل ہو رہے ہیں۔ جوانی عود کر رہی ہے۔ جوبن رنگ پکڑ رہا ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب چٹاگانگ پر پہلے سے بھی زیادہ شباب کا زمانہ آ جائے گا۔

چلنا بندرگاہ

چٹاگانگ کی بندرگاہ ترقی دینے کے باوجود مشرقی پاکستان کی تجارتی اور صنعتی ضرورتوں کی کفیل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حکومت نے کھلنا کے قریب چلنا کی ایک نئی بندرگاہ تعمیر کرائی ہے اس بندرگاہ کے بن جانے سے نہ صرف وہ مشکلیں دور ہو گئی ہیں۔ جو بندرگاہ چٹاگانگ کے پوری طرح تیار نہ ہو سکنے کی وجہ سے پیش آ رہی تھیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان ریلوے کا بھی کام ہلکا ہو گیا ہے۔ چلنا کی وجہ سے پٹ سن اور چائے کو باہر بھیجنے اور کوئلہ اور غلہ منگوانے میں بڑی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ چٹاگانگ کی بندرگاہ پٹ سن کے مرکزوں سے بہت دور تھی۔ اور مال پہنچانے کے لئے ریلوے پر بھاری بوجھ تھا چلنا کی بندرگاہ مرکزوں سے نسبتاً قریب ہے۔ اور مال آسانی سے کشتیوں میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ درآمد شدہ مال بھی بہت جلدی ملک کے ہر کونے میں پہنچ جاتا ہے۔

چلنا کی بندرگاہ سے صرف یہی فائدہ نہیں ہوا۔ کہ مال کی درآمد و برآمد میں آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں کے روزگار کا مسئلہ بھی خود بخود حل ہو گیا ہے۔ بندرگاہ پر سامان کی باربرداری کے لئے ہزاروں پاکستانی مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال رہے ہیں۔ چلنا جو کل تک ایک قصبہ تھا۔ آج ایک ساحلی شہر بن چکا ہے۔ ایک بڑے شہر کے لئے جن چیزوں کی ضرورتیں ہوا کرتی ہیں۔ ان کو پورا کرنے کے لئے ہمارے تاجر ڈاکٹر۔ کارخانے دار۔ گاڑی والے اور دوسرے لوگ اس نئے شہر کا رخ کر رہے ہیں۔

چلنا سمندر سے قریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ لیکن وہاں پر پسر دریا جو بہتا ہے۔ اس کا دھارا اتنا تیز ہے۔ اور وہ اتنا گہرا ہے۔ کہ بڑا سے بڑا سمندری جہاز اس میں اتنی ہی روانی سے چل سکتا ہے۔ جتنا کہ سمندر میں۔

مرشد آباد

مرشد آباد مشہور شہر ہے۔ جو مسلمانوں کے عہد میں بنگال کا دارالحکومت رہا ہے۔ یہاں ریشم، گلکاری اور ہاتھی دانت کا عمدہ کام ہوتا ہے۔

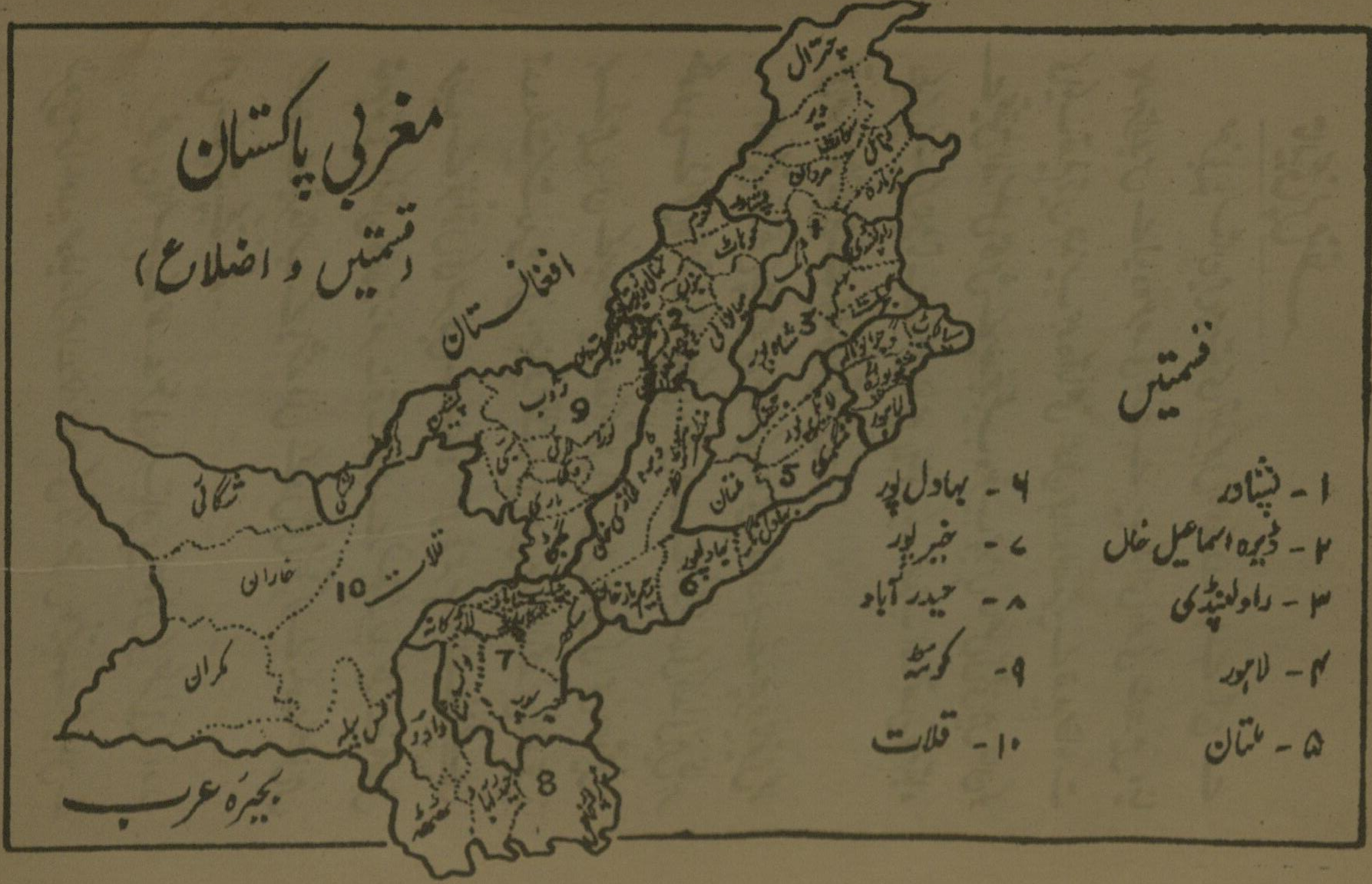
راج شاہی دریائے گنگا پر جو یہاں پدما کے نام سے مشہور ہے۔ واقع ہے اور تجارت کی منڈی ہے۔

سید پور ریلوے کا مرکز ہے سلہٹ مشرقی پاکستان کا ایک بڑا شہر ہے۔

مغربی پاکستان

مغربی پاکستان کی سرزمین گزرے ہوئے زمانہ کی درخشاں عظمتوں کا ایک لاجواب مرقع پیش کرتی ہے۔ برصغیر ہند کی تاریخ کا اولین باب اسی ارضِ پاکستان میں لکھا گیا۔ اور یہی خطۂ پاکستان بہت سی تہذیبوں کا گہوارہ بن بن کر ان کا مرکز ہوتا رہا ہے اس کے قدیم آبائی ربط و وحدت اور موروثی اصل و نسل کے اعتبار سے سوائے مصر کے کوئی اور ملک ہم پلہ نہیں ہو سکتا،

مغربی پاکستان کا رقبہ ۳۱۰۲۲۶ مربع میل اور آبادی ۳۳،۷۹،۰۰۰ نفوس ہے۔ اس کے جنوب مغرب میں بحیرۂ عرب جولانیاں دکھا رہا ہے۔ مغرب اور شمال میں کوہ ہمالیہ۔ سلیمان اور کیرتھار کے سلسلے ہیں۔ اور جنوب مشرق میں ہندوستان کا لق و دق صحرا ہے۔ اس سرزمین کو دریائے سندھ اور اس کے معاون دریا ستلج راوی۔ چناب۔ جہلم وغیرہ اجیرنا تھ کی انگلیوں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں، خود بخود اور فنِ آبپاشی کی جدید نہروں سے ذریعے یہاں کے وسیع اور زرخیز علاقوں کو سیراب و شاداب کرتے ہیں۔



مغربی پاکستان
(قسمتیں و اضلاع)
افغانستان
بحیرۂ عرب
قسمتیں
۱ - پشاور
۲ - ڈیرہ اسماعیل خاں
۳ - راولپنڈی
۴ - لاہور
۵ - ملتان
۶ - بہاول پور
۷ - خیرپور
۸ - حیدرآباد
۹ - کوئٹہ
۱۰ - قلات
چترال
مکران
خاران
چاغی
قلات
ژوب
کوئٹہ

تاریخی پس منظر

مغربی پاکستان میں بہت سی تہذیبوں کا دور دورہ رہا ہے۔ آج سے چار ہزار برس سے زیادہ عرصہ کی بات ہے۔ جب کہ اسی وادی سندھ میں دنیا کی ایک قدیم ترین تہذیب جلوہ آرا تھی۔ موئن جو ڈارو اور ہڑپہ کے قدیم مقامات سے تحقیق اور مسلسل تلاش کے بعد جو عجیب و غریب چیزیں حاصل کی گئی ہیں۔ ان کو دیکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں یہاں ایک مہذب اور متمدن قوم آباد تھی، یہ زمانہ تاریخ سے پہلے کی باتیں ہیں۔

تاریخی دور میں پہلے ایرانی سندھ کی وادی پر حملہ آور ہوئے۔ پھر یونانیوں اور مغلوں نے اس کو تاخت و تاراج کیا۔ اس دور کے آثار ٹیکسلا کی کھدائی میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ان کے بعد ساتویں اور آٹھویں صدی میں عربوں کی اس علاقہ میں آمد و رفت شروع ہوئی۔ چنانچہ ۹۲ھ میں عربی سپہ سالار محمد بن قاسم بحیرۂ عرب کے قزاقوں کی سرکوبی کے لئے آیا۔ اس نوعمر سپہ سالار نے قریب قریب تمام مغربی پاکستان کا علاقہ نہ صرف قوت بازو سے فتح کر لیا۔ بلکہ اپنے اخلاق حسنہ سے غیر مذاہب کے باشندوں کے دل بھی مسخر کر لئے۔ اور مندروں میں اس کے بت پوجنے لگے۔

محمد بن قاسم کے حملہ سے مغربی پاکستان میں مسلمانوں کی حکمرانی کا دور شروع ہوا۔ اور یہ صوفیاء کرام اور علماء عظام کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کہ یہاں کے

اکثر علاقوں میں لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمان حملہ آوروں نے وقتاً فوقتاً اس ملک پر حملے جاری رکھے، ان کے ساتھ جو سپاہ اور ہمراہی آئے۔ انہوں نے بھی یہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔ ان کے علاوہ حکماء، سائنسدان، ماہرین تعمیر اور کاریگر وغیرہ جو مسلمان بادشاہوں کے ہمراہ اس ملک میں آتے رہے۔ انہوں نے بھی اس سرزمین میں اسلامی تہذیب اور علوم و فنون کی تبلیغ و توسیع میں قابل قدر خدمات انجام دیں مغلیہ سلطنت کا آفتاب غروب ہوا، تو یہ دھرتی کم و بیش سو سال تک انگریزوں کے تصرف میں چلی گئی۔ اور قیام پاکستان ۱۹۴۷ء کے بعد دوبارہ آزادی نصیب ہوئی ہے۔

وحدتِ مغربی پاکستان

قیام پاکستان کے وقت مغربی پاکستان پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کے صوبوں اور بہاولپور، خیرپور، قلات، مکران، خاران لس بیلا کی چھوٹی بڑی ریاستوں میں منقسم تھا۔ یہ تقسیم درحقیقت اہل برطانیہ کی ایک مصنوعی تقسیم تھی۔ جو انہوں نے اپنی آسانی کی خاطر اور سیاسی اغراض کے تحت کر دی تھی۔

مغربی پاکستان کا مختلف صوبوں اور ریاستوں میں منقسم ہونا دراصل اس بنیادی تصور پر معترض ہونے کے مترادف تھا جس کی بنیاد پر مسلم اکثریت کے

علاقے علیحدہ اور آزاد ہوئے تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے سندھی، بلوچی سرحدی، پنجابی ہونے کی حیثیت سے ان علاقوں کے باشندوں کے حق، انفرادیت کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ مطالبہ کی بنیاد ان علاقوں میں بسنے والے باشندوں کی مذہبی۔ تمدنی اور تہذیبی یکسانیت یعنی متحدہ قومیت تھی۔ چنانچہ ۱۴ ار اکتوبر ۱۹۵۵ء کو مغربی پاکستان کی مختلف صوبائی اور ریاستی حد بندیوں کو ختم کر کے ایک یونٹ یا وحدت میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس فیصلہ نے مغربی پاکستان میں ترقی اور خوشحالی کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔

چنانچہ اب مغربی پاکستان انتظامی امور کے لئے داخل ڈویلپمنٹ افغانی کے علاوہ مندرجہ ذیل دس قسمتوں اور پچاس اضلاع میں منقسم ہے:-

نمبر شمار	قسمت	اضلاع
۱	پشاور	پشاور۔ مردان، ہزارہ، کیمبل پور (مع ملحقہ قبائلی علاقہ)
۲	ڈیرہ اسمٰعیل خاں	ڈیرہ اسمٰعیل خاں، بنوں، کوہاٹ، میانوالی (مع ملحقہ قبائلی علاقہ)
۳	راولپنڈی	راولپنڈی، جہلم، گجرات، شاہ پور
۴	لاہور	لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، سیالکوٹ
۵	ملتان	ملتان، جھنگ۔ لائل پور۔ منٹگمری
۶	بہاولپور	بہاولپور، بہاولنگر۔ رحیم یار خاں، مظفر گڑھ۔ ڈیرہ غازیخاں


مغربی پاکستان
١ قسمت پشاور
٢ قسمت ڈیرہ اسمٰعیل خاں
٣ قسمت راولپنڈی
٤ قسمت لاہور
٥ قسمت ملتان
٦ قسمت بہاولپور
٧ قسمت خیرپور
٨ قسمت حیدرآباد
٩ قسمت کوئٹہ
١٠ قسمت قلات
اضلاع
قسمت
چاغی
خاران
مکران
قلات
ژوب
ملتان
بہاولپور
رحیم یارخاں
سکھر
خیرپور
لاڑکانہ
میرپور خاص
ڈیرہ غازی خاں
مظفر گڑھ
منٹگمری
لائلپور
شاہ پور
جہلم
گجرات
ہزارہ
سوات
پشاور
کوہاٹ
بنوں
لاہور
سیالکوٹ
چترال

۷	خیرپور	خیرپور۔ جیکب آباد۔ سکھر۔ لاڑکانہ۔ نواب شاہ۔
۸	حیدرآباد	حیدرآباد۔ ٹھٹھہ۔ دادو۔ میرپور خاص۔ ننگرپارکر
۹	کوئٹہ	کوئٹہ۔ ژوب۔ لورالائی۔ سبی
۱۰	قلات	قلات۔ چاغی۔ خاران۔ مکران۔ لس بیلہ

کراچی آئین کی منظوری تک کے تحت رہیگا بعد میں یہ علاقہ مغربی پاکستان یونٹ میں شامل ہو گا۔

وحدتِ مغربی پاکستان کے فوائد

۱۔ متعدد چھوٹے چھوٹے انتظامی دوائر میں حکومت کا کاروبار چلانے میں زیادہ روپیہ صرف ہوتا تھا۔ اب ایک یونٹ میں اخراجات کم ہوجائیں گے۔ اور بچت کا یہی روپیہ تعمیر وارتقا۔ اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف ہوگا۔

۲۔ وحدتِ مغربی پاکستان میں نظم ونسق پہلے کی نسبت بہتر ہوجائے گا۔ اور حکومت کی پالیسی کا درست انداز میں عمل درآمد ہو گا۔

۳۔ مختلف صوبوں کے وجود نے صوبائی عصبیت پیدا کر دی تھی۔ جو ملک وملت کے لئے سراسر مضر تھی۔ وحدت سے اخوت ویگانگت پیدا ہو گی۔

۴۔ مغربی پاکستان میں نہری پانی کا مسئلہ بے حد اہم ہے اس پانی کی مساویانہ اور منصفانہ تقسیم صرف اسی صورت میں ہو سکتی تھی۔ کہ پاکستان کا مغربی منطقہ ایک اکائی کی صورت اختیار کرے۔ اسی طرح بن بجلی کے وسائل سے تمام علاقے

یکساں مستفید ہو سکیں گے،

۵۔ مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں اور ریاستوں کی تقسیم غیر فطرتی اور مصنوعی ہونے کی وجہ سے بعض حصے پسماندہ تھے، اور بعض ترقی یافتہ۔ وحدت سے پسماندہ علاقے بھی ترقی کر سکیں گے۔

۶۔ وحدت سے جمہوریت کا دامن کشادہ ہو جائے گا۔ اس لئے ملک کا مفاد وسیع تر ہو جائے گا۔ کیونکہ جمہوریت سے ہم آہنگی اور ہم رنگی پیدا ہوتی ہے۔

۷۔ وحدت سے قدرتی دولت کی تقسیم مساویانہ ہو گی۔ پٹرول، آب میں ہو یا زمین میں۔ کوئلہ بلوچستان میں ہو یا سندھ میں، دریا جہاں سے شروع ہوں اور جہاں ختم ہوں۔ ان سب کے فوائد میں ملک کا ہر حصہ شریک اور برابر کا حصہ دار ہو گا۔

۸۔ وحدت سے بیوپاری جھتے کی رقابتیں اور جھگڑے ختم ہو جائیں گے اور تجارت کی ترقی میں صوبائی اور ریاستی حد بندیاں مانع نہ ہو سکیں گی۔ چور بازاری اور نفع اندوزی کم ہو جائے گی۔

۹۔ ملک کی آئندہ صنعتی ترقی صوبائی اساس کی جگہ ملک گیر بنیادوں پر قائم ہو گی۔ وسیع پیمانے کی جدید صنعتیں اور چھوٹی چھوٹی گھریلو دستکاریاں منصوبہ بندی کی ایک لڑی اور واحد انتظامیہ کی ایک نگرانی میں بندھ جائیں گی۔

۱۰۔ ریاستوں۔ جاگیروں اور قبائلی علاقوں کے کئی اختلافات مصنوعی حد بندیوں سے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

۱۱- صوبائی اور ریاستوں کی تقسیم سے مختلف حصص میں مختلف قانون تھا۔ اب قانون میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی۔ اور قانون کے سامنے سب برابر ہونے سے جماعتی اختلافات کم ہو جائیں گے۔

۱۲- وحدت استحکام پاکستان کے سلسلہ میں ایک اہم اقدام ہے۔

متفرق حالات

مغربی پاکستان کی آب و ہوا زیادہ تر خشک ہے۔ اور موسمی حرارت حرارت میں انتہائی درجوں کا فرق رہتا ہے یعنی گرمیوں میں شدید گرمی اور سردیوں میں شدید سردی۔ بارش کی عموماً قلت رہتی ہے۔ البتہ لاہور کے مشرقی علاقہ میں بارش کی کمی نہیں رہتی۔

مغربی پاکستان میں اکثر ایسے علاقے ہیں۔ جو زراعت کے اعتبار سے نہایت زرخیز تسلیم کئے گئے ہیں۔ لاہور اور ملتان کی قسمتوں کو اناج کا کھلیان کہا جاتا ہے بہاولپور، خیرپور اور حیدرآباد کی قسمتوں میں کپاس، گندم، چاول، میٹھا تیل نکالنے کے بیج۔ اور مکئی کی فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ پشاور اور کوئٹہ کے علاقے پھلوں کے لئے مشہور ہیں۔

زرعی پیداوار کے علاوہ مغربی پاکستان معدنی دولت سے بھی مالامال ہے۔

یہاں قریباً تمام دھاتیں مثلاً کوئلہ، کرومائیٹ، سیسہ، سرمہ، گندھک، شورہ، مٹی کا تیل، تانبہ، لوہا۔ نمک۔ چونا کھریا مٹی پائی جاتی ہیں۔ جن کا مفصل ذکر آگے کیا جائے گا۔

مغربی پاکستان کے باشندے تندرست، مضبوط، قدآور، زندہ دل جفاکش کسان اور ہنرمند کاریگر ہیں۔ سپاہ گری اور شجاعت کے اوصاف میں دنیا بھر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اسی لئے مغربی پاکستان کو "بازوئے شمشیر زن" کہا جاتا ہے۔

اکثریت کا گزارہ زراعت پر ہے۔ اب صنعت و حرفت کا شوق بھی سرعت کے ساتھ پیدا ہو گیا ہے۔

معاشی پریشانیوں کو بھول کر مغربی پاکستان کی عورتیں چاندنی رات میں جب دیہاتی ناچ ناچتی ہیں۔ تو تمام فضا میں مسرت پھیل جاتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے ساتھ کائنات کا ذرہ ذرہ تھرک رہا ہے اور جانے ان کا دل کبھی غم و فکر سے آشنا ہوا ہی نہیں۔

دریائے سندھ

اگر مصر کو دریائے نیل کا تحفہ کہا جا سکتا ہے۔ تو مغربی پاکستان کو بھی دریائے سندھ کا تحفہ کہنا چاہیئے۔ اس سرزمین کی ساری شادابی اور رونق اسی دریا کے دم سے ہے۔ دریائے سندھ کی نہروں کا پانی جہاں جہاں پہنچتا ہے۔ ہر طرف شادابی اور رونق نظر آتی ہے۔ جہاں اس کا گزر نہیں، وہاں خاک

اڑتی ہے۔ یہ دریا مغربی پاکستان کے لئے ایک بڑی نعمت ہے۔

دریائے سندھ کو قدیم زمانے میں سوسامارتاگ، اور مہران بھی کہتے تھے، ویدوں میں اس دریا کی بڑی تعریف آئی ہے۔ رگ وید کے چند اشلوکوں میں اس کی بہت تعریف کی گئی ہے:۔

دریائے سندھ کا منبع سطح سمندر سے ۱۶ ہزار فٹ بلندی پر ہے۔ تبت کے کیلاش نامی پہاڑ سے نکل کر ۱۸۰۰ میل کا سفر طے کر کے کشمیر سے ہوتا ہوا مغربی پاکستان میں پہنچ کر جہلم، چناب، راوی، بیاس، ستلج کا پانی اپنے دامن میں سمیٹ کر سمندر کا ۔۔۔۔ رُخ کرتا ہے۔ اور سکھر، حیدرآباد، کوٹری اور ٹھٹھہ سے ہوتا ہوا کیمی شاہ بندر کے پاس بحیرہ عرب میں جا گرتا ہے۔ یہ دریا قدیم زمانہ سے جہازرانی کے قابل رہا ہے۔ پرانے زمانے میں یہاں بابل نینوا، یمن اور مصر کے جہاز آتے تھے۔ دریائے سندھ کی وادی کا تہذیب و تمدن کتنا قدیم ہے؟ اس سوال کا جواب موہن جو دارو اور ہڑپہ کے کھنڈرات دے رہے ہیں۔

دریائے سندھ کے کناروں نے مختلف قوموں اور مختلف نسلوں کو اپنے آغوش میں پناہ دی، اسی آبی شاہراہ سے سکندرِ اعظم کا بحری قافلہ گزرا۔ مسلمان مورخوں کے تذکرے اس دریا کے ذکر سے پُر ہیں۔ غرضیکہ تیز و تند اور بے راہ رو دریائے سندھ کی رعنائیوں میں گردشِ زمانہ کے مختلف ادوار کے عکس جھلک رہے ہیں۔ اور سندھ کی یہ تیز روی اور بے راہ روی جب کبھی سیلاب کا روپ دھارتی ہے

تو پھر بنستے کھیلتے کھیت گاؤں، لہلہاتے ہوئے ہرے بھرے کھیتوں، کھلیانوں قصبوں اور آبادیوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر منزلِ فنا سے ہمکنار کردیتی ہے دریائے سندھ موت کے نغمے اور زندگی کے گیت الاپتا ہوا جانے کب سے بہہ رہا ہے اور جانے اس ڈھنگ سے کب تک بہتا رہے گا۔

آثارِ قدیمہ

موئن جو دڑو اور ہڑپہ۔ آج سے چار ہزار برس سے زیادہ عرصہ کی بات ہے۔ جبکہ وادیٔ سندھ اور اس کے زیریں گوشوں میں جو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ میدانوں میں واقع ہے۔ دنیا کی ایک قدیم ترین تہذیب جلوہ آرا تھی۔ یہ حقیقی معنوں میں ایک ایسی شاندار اور ارتقائی تہذیب تھی۔ جس کی بنیادیں نہایت ہی متمدن اور متمول شہروں کے قیام پر رکھی گئی تھیں۔ جن میں سے دو شہر بہت ممتاز ہیں ان میں ایک ہڑپہ ہے۔ جو منٹگمری سے سولہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور دوسرا اس سے چار سو میل دور لاڑکانہ سے ۲۲ میل کے فاصلہ پر موئن جو دارو یا مردوں کا ٹیلہ مشہور ہے۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے ان پرانی بستیوں کو کھود کر اپنی تحقیق و تجسس سے عجیب و غریب عجائبات حاصل کئے ہیں، جنہیں دیکھ کر تمام دنیا حیرت میں ہے۔ ہندوؤں کا دعوی تھا، کہ ان کے آباؤ اجداد یعنی آریا لوگوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں وحشی اقوام آباد تھیں۔ انھوں نے یہاں پہنچ کر انہیں تہذیب و تمدن سے روشناس کیا۔ مگر موئن جو دارو اور ہڑپہ کے قدیم آثار نے

ان کے اس دعویٰ کو جھٹلا دیا ہے۔ دو ہزار سے پانچ ہزار سال قبل وادیٔ سندھ تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھی، اور یہ تہذیب مصر و بابل کی قدیم ترین تہذیبوں کی ہمعصر تھی۔

جو آثار برآمد ہوئے ہیں، ان سے تین ہزار سال قبل کی معروف شہری زندگی اور اس کی چہل پہل کا نقشہ آنکھوں کے سامنے صاف آجاتا ہے۔ باقاعدہ سڑکیں گلیاں، رہائشی مکانات، بڑے بڑے ہال اور زمین دوز بدرو اور نالیاں تھیں۔ اس زمانہ میں وادیٔ سندھ کے مصر اور عراق عرب کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم تھے یہ لوگ صدیوں تک اطمینان و عافیت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ مسیح سے پندرہ سو سال قبل حملہ آور جو غالباً آریا لوگ تھے۔ وادیٔ سندھ میں حملہ آور ہوئے، شہری لوگ صدیوں تک ایک جگہ بیٹھے بیٹھے سے فوجی قوت کھو بیٹھے تھے۔ اس لئے چست اور طاقتور حملہ آوروں کا مقابلہ نہ کر سکے، اور یہ بدنصیب لوگ بڑی بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ حملہ آوروں نے شہر بہ شہر قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر کے ایک ایسا قیامت آفرین انقلاب برپا کیا۔ کہ وادیٔ سندھ کے تمدن کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ بے بس مقتولوں کی ہڈیاں برباد شہروں کے ویران گلی کوچوں میں بادآورد تہوں کے نیچے صدیوں تک پڑی رہیں حتیٰ کہ بیسویں صدی کے ماہرین آثار قدیمہ نے انہیں کھود نکالا۔ اور اب ان قدیم آثار کو دیکھنے کے لئے تمام دنیا کے سیاح چلے آتے ہیں۔

ٹیکسلا۔ ٹیکسلا کے مشہور کھنڈرات راولپنڈی سے بیس میل کے فاصلہ پر

واقع ہیں۔ ٹیکسلا جو کہ ازمنۂ قدیم میں ایک نہایت مشہور معروف شہر تھا، زمانے کے انقلابات سے ایسا مٹا کہ دورِ حاضر میں برسوں تک اس مقام کا صحیح اندازہ نہ لگ سکا۔ یونانیوں نے ٹیکسلا کا نام ہندوؤں کے اصلی لفظ "تکشا سلا" سے اخذ کیا تھا۔ یوں تو اس کی کھدائی ۱۸۶۳ء سے شروع ہوئی۔ مگر زیادہ کام ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۵ء تک ہوا۔ اس کی یادگاریں تین جدا جدا قدیم شہروں کی دریافت پر مشتمل ہیں (۱) بھیرہ کا ٹیلہ (۲) سرکپ (۳) سرسکھ۔

سکندرِ اعظم ۳۲۶ قبل از مسیح یہاں پہنچا۔ یہاں کے حکمران راجہ امبھی نے اس کے ساتھ صلح کر لی۔

راجہ چندر گپت کا نامور وزیر چانکیہ اسی شہر کا باشندہ تھا۔

ٹیکسلا کی تین مستقل آبادیوں کے علاوہ تمام علاقے میں بے شمار پرانی عمارتیں ہیں، جن میں بدھ مت کے پیروؤں کے ٹوپ اور سمادھیوں کے آثار بکثرت ملتے ہیں۔ ان میں سے دھرم راجیکا ٹوپ، کنال کا ٹوپ، اور مرادو، جولیاں لال چک اور جنڈیال کے آثار زیادہ مشہور ہیں، یہ تمام آثار بدھ اور جین مذہبوں کی تہذیب کو ظاہر کرتے ہیں، جو اشوک کے زمانہ سے لے کر کنشک کے عہدِ حکومت تک بامِ عروج پر رہی۔ یہاں پر ایشیا بھر میں سب سے بڑی درس گاہ تھی۔ جہاں پر تمام ہندوستان لنکا۔ برما۔ چین، جاپان، اور وسط ایشیا تک کے طالب علم آیا کرتے تھے، اور

بیک وقت ہزاروں کی تعداد میں درس لیتے تھے۔
تجارتی لحاظ سے بھی ٹیکسلا کی حیثیت ایشیا کی بڑی منڈیوں کی سی تھی
یہاں کے تاجر دولت سے مالا مال تھے۔

مشہور شہر



کراچی سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر دریائے سندھ
کے کنارے ایک چھوٹا سا قصبہ ٹھٹھہ آباد ہے۔ جو ۱۷۳۹ء
میں بہت بڑا شہر تھا۔ اور جنوبی سندھ کے حکمرانوں کا صدر
مقام رہ چکا ہے۔ سنہ ۱۶۱۲ء میں مغل بادشاہوں نے اپنی
سلطنت میں شامل کر کے اسے ایک صوبہ بنا دیا۔ یہاں کی ممتاز اور قدیم عمارت
جامع مسجد ہے۔ جسے سنہ ۱۶۴۷ء میں شہنشاہ شاہ جہاں نے شروع کیا۔ اور بعد
میں شہنشاہ اورنگ زیب نے اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ جامع مسجد کی عمارت میں
اگرچہ خستگی کے آثار نمایاں ہیں۔ پھر بھی اس کی شانِ امتیازی ابھی تک باقی
ہے۔ اور قابلِ دید ہے۔ ٹھٹھہ کے قرب و جوار میں بہت سے مقبرے ہیں
جن میں قابلِ ذکر مرزا جانی بیگ کا مقبرہ ہے۔ جو ترخان خاندان کا آخری حاکم تھا
اس کے علاوہ نواب عیسٰے خاں کا مزار جو سنہ ۱۶۴۰ء میں تعمیر ہوا اور دیوان سلفے

خاں کا مقبرہ جو ۱۶۲۸ء میں بنا تھا، دیکھنے کے لائق ہے۔ ٹھٹھہ میں ہر قسم کے شکار کی افراط ہے۔



حیدرآباد کراچی سے ۱۱۱ میل دور ایک پہاڑی ٹیلے پر واقع ہے۔ شہر کی عمارتوں پر جستی چادروں کے ہوادانوں کا سلسلہ ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے جن کے ذریعہ سے گرمیوں میں جنوب کی بحری ہوا کثرت پہنچتی رہتی ہے۔ ۱۷۶۸ء میں غلام کلہوڑو نے موجودہ مقام پر حیدرآباد شہر بسایا تھا قلعہ اور کلہوڑوں اور تالپوریوں کے مقبرے قابل دید عمارات ہیں۔ آبادی ڈھائی لاکھ سے کچھ کم ہے۔ حیدرآباد ریشمی کپڑے، گوٹا کناری اور سلمہ ستارے کی صنعت کے لئے مشہور ہے۔

خیرپور میر کراچی سے ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ شہر ۱۷۸۳ء میں بسایا گیا تھا۔ امیران سندھ کا آخری دارالسلطنت تھا۔

قلات کا چھوٹا سا شہر کوئٹہ سے ۹۱ میل کے فاصلہ پر ۶۷۸۳ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

شہر خاران کی آبادی پانچ ہزار کے قریب ہے۔ خاران کا اصل لفظ قاران یا کاران تھا۔ ق یا ک، کا خ بن گیا۔ جو خاران کے پہاڑ راس کا پرانا نام تھا، میراں شاہ پسر امیر تیمور لنگ کی فتوحات کے تذکرے میں قاران پہاڑ کا ذکر موجود ہے

ابوالفضل نے بھی کوہ خاران کا ذکر کیا ہے۔ خاران میں گھی اور پشم کی تجارت ہوتی ہے۔

شہر بیلا کراچی سے شمال مغرب میں ۱۱۵ میل کے فاصلہ پر آباد ہے۔ بیلا سندھی زبان میں جنگل کو کہتے ہیں کسی زمانہ میں یہاں جنگل ہی جنگل تھے۔ ابتدا میں لاسی قوم کی آبادی ہوئی اسی وجہ سے تمام علاقہ لس بیلہ مشہور ہو گیا۔ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر فوج کشی کی۔ تو اس کا گذر اسی علاقہ میں سے ہوا۔ چنانچہ اب بھی آثار موجود ہیں۔

مکران کے متعلق جمہور محققین کا اتفاق ہے۔ کہ ماہی خوراں (مچھلی کھانے والے) سے بگڑا ہے بعض کا خیال ہے۔ کہ مکران اصل میں مہ کیران تھا۔ مہ بمعنی شہر اور کیران بمعنی سمندر۔ یعنی سمندر کے کنارے بسنے والا شہر۔ بعض کی رائے ہے۔ کہ موکران حضرت نوح علیہ السلام کے پڑپوتے کا نام تھا۔ مکران کے سنسان اور سنگلاخ علاقہ میں سکندر اعظم ہندوستان سے واپس جاتا ہوا راستہ بھول گیا۔ پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ فوج کے سپاہی تڑپ تڑپ کر جانیں دینے لگے۔ پانی کے آخری چند گھونٹ ایک چھاگل میں سکندر اعظم کو پیش کئے گئے۔ مگر اس کی غیرت نے اجازت نہ دی۔ چنانچہ اس نے پانی پینے سے انکار کر دیا۔ اور چار سواروں کو ساتھ لے کر فوج سے آگے پانی کی تلاش میں نکلا۔ چند میل کی مسافت طے کی ہو گی۔ کہ معلوم ہوا۔ کہ وہ ساحل سمندر سے چند میل کے فاصلہ پر پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ مناسب

جگہ پر کنوئیں کھود کر پانی نکالا گیا۔

روہڑی دریائے سندھ کے مشرقی کنارے، پہاڑی چٹانوں پر واقع ہے۔ غالباً سید رکن الدین شاہ نے ۱۲۹۶ء میں اسے آباد کیا تھا۔ یہاں کی جامع مسجد قابلِ دید ہے۔ جسے شہنشاہ اکبر کے ایک افسر فتح خاں نے ۱۵۸۳ء میں تعمیر کرایا تھا۔

سکھر ایک تجارتی شہر ہے۔ روہڑی اور سکھر کے درمیان دریائے سندھ پر مشہور لچکدار ریلوے پل ہے۔ دنیا کا سب سے لمبا بند "سکھر" یا "لائیڈ بیراج" بھی یہیں ہے۔ یہ بند دس برس کے طویل عرصہ میں ۱۹۳۲ء میں مکمل ہوا۔



کوئٹہ درہ بولان کے سرے پر واقع ہے۔ اس کا نام پشتو زبان کے لفظ "کواٹا" سے اخذ کیا گیا ہے فوجی نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے پاکستان، افغانستان و ایران کے درمیان تجارتی اشیاء مثلاً میوہ جات، قالین، ایرانی لنگیاں، رومال وغیرہ کا تبادلہ اسی جگہ ہوتا ہے۔ صحت افزا مقام ہے۔ یہاں کی صفائی، سادہ عمارتیں اور قدرتی مناظر کافی دلکشی کا باعث ہیں، سردی شدید پڑتی ہے۔ ساڑھے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں کے سٹاف کالج کا شمار دنیا کے چند ایک بہترین فوجی کالجوں میں ہوتا ہے۔

زیارت کوئٹہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر سطح سمندر سے سات ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ شہر حسین وجمیل قدرتی مناظر کی فراوانی کے لئے مشہور ہے



بہاولپور مٹی کے نازک برتنوں کی صنعت اور کشیدہ کاری کے لئے مشہور ہے۔ اس شہر کو نواب بہاول خاں نے ۱۷۴۸ء میں بسایا اور اس کا نام اپنے نام پر رکھا۔ کراچی سے ۵۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔



ملتان ایک بہت پرانا شہر ہے۔ سکندر اعظم کے بیان میں بھی اس کا ذکر ہے محمد بن قاسمؒ کے وقت سے یہ شہر اسلامی قلمرو میں شامل ہو چکا تھا شہر کے قریب پرانا قلعہ قابلِ دید عمارت ہے اس کے علاوہ بہت سی زیارت گاہیں ہیں۔ جن میں سے حضرت بہاؤالحق کا مقبرہ حضرت شمس تبریز کا مزار۔ شاہ رکن عالم کا مقبرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔ ملتان گھریلو صنعتوں یعنی مٹ چینی، ملمع سازی، ریشمی پارچہ، مدریاں، قالین سازی کیلئے مشہور ہے۔ کراچی سے ۵۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ملتان کے متعلق یہ ایک پرانا شعر مشہور ہے:-

چار چیز است تحفۂ ملتان - گرد، گرما، گدا و گورستان

منٹگمری اناج کی منڈی ہے۔ کراچی سے ۶۵۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے

لاہور مغربی پاکستان کا دارالسلطنت ہے۔



کراچی سے ۵۵۱ میل کے فاصلہ پر دریائے راوی کے کنارے آباد ہے۔ قدیم اور نئی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے اعتبار سے لاہور پاکستان بھر میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ یہ شہر زمانے کے بہت گرم سرد انقلابات دیکھ چکا ہے۔ حملہ آور اور حکمران آئے اور چلے گئے۔ یہاں حکومتیں بنیں اور ختم ہو گئیں۔ تقسیم پنجاب کی وجہ سے فوجی نقطۂ نگاہ سے اس کی اہمیت کم ہو گئی کیونکہ یہاں سے ہندوستان کی سرحد صرف سترہ میل دور ہے۔ مگر اس کی ثقافتی سرگرمیوں میں کمی نہیں ہوئی۔

لاہور اور اس کے قرب و جوار میں جگہ جگہ تاریخی عمارتیں اور یادگاریں اپنے حسنِ تعمیر اور قابلِ دید شان و شکوہ کے اعتبار سے بہت ہی دلچسپ ہیں۔ جن میں مسجد وزیر خاں، موتی مسجد، شاہی مسجد، شاہی قلعہ، عمارات بیگم پورہ، شالامار، مقبرۂ جہانگیر، مقبرہ آصف خاں اور نور جہاں کا مزار خاص طور پر مشہور ہیں۔ پاکستان بھر میں تعلیم کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہاں ریلوے کی ایک بہت بڑی ورکشاپ ہے۔ آبادی دس لاکھ کے قریب ہے۔

وزیر آباد کا شہر شاہجہان کے عہد میں وزیر خاں نے آباد کیا تھا۔ چاقو،

چھریاں وغیرہ کی صنعت کا مرکز ہے۔



سیالکوٹ قدیم زمانہ میں ساگلہ کے نام سے مشہور تھا۔ اور ہندی یونانی حکمران "منندر" کا دارالسلطنت تھا۔ ایک قدیم اور بلند قلعہ کے آثار آج تک موجود ہیں۔ یہ شہر کھیلوں کے سامان کے لئے تمام دنیا میں مشہور ہے یہاں سرجری کی ضروریات کے آلات بھی تیار ہوتے ہیں۔

لائل پور کا شہر صنعتی لحاظ سے بہت ترقی کر گیا ہے۔ یہاں مشہور زرعی کالج ہے۔

گجرات کا موجودہ شہر شیر شاہ سوری یا شہنشاہ اکبر کے عہد میں آباد ہوا۔ اکبر کا تعمیر کردہ قلعہ شہر کے وسط میں واقع ہے۔ اور یہیں مشہور بزرگ پیر شاہ دولہ کا بھی مزار ہے۔ گجرات مٹی کے برتنوں کی صنعت کے لئے مشہور ہے۔

جہلم شہر دریائے جہلم کے مغربی کنارہ پر واقع ہے۔ اس کے گرد و نواح میں ہند یونانی دور کے بے شمار قدیم آثار پائے جاتے ہیں۔ جہلم میں لکڑی کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

راولپنڈی کراچی سے ۹۳۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں پاکستانی فوج کے مرکزی دفاتر ہیں۔ اس لئے یہاں کی چھاؤنی ملک کا سب سے بڑا فوجی مرکز ہے۔ راولپنڈی کی وجہ تسمیہ ایک گکھڑ سردار جھنڈے خاں راول سے منسوب

کی جاتی ہے۔ جو چودھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے



مری راولپنڈی سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر پُر فضا پہاڑی مقام ہے۔ سطح سمندر سے ۷۵۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ موسم گرما میں بے شمار لوگ اس سرد مقام میں آجاتے ہیں۔ یہاں سے ہمالیہ پہاڑوں کا بلند و خوبصورت سلسلہ اپنی تمام دلفریبیوں کے ساتھ نظر آتا ہے۔

ایبٹ آباد ایک بڑا اور ترقی پذیر قصبہ ہے۔ جو سطح سمندر سے چار ہزار فٹ کی بلندی پر آباد ہے۔ یہ علاقہ مغربی پاکستان کا موسم گرما کا دارالسلطنت تجویز ہوا ہے۔

نوشہرہ دریائے کابل کے کنارے واقع ہے۔ یہ ایک بہت بڑی چھاؤنی ہے۔ اس علاقہ میں بدھ مت کے بہت سے آثار اور قدیم عمارتوں کے کھنڈر ہیں۔

پشاور کراچی سے ۱۰۴۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے پشاور وسط ایشیا اور پاکستان کے درمیان تجارت کے لئے ایک لاجواب منڈی ہے۔ ایک زمانہ میں کوشن حکمرانوں کا شاہی شہر اور بدھ مت کا ایک بڑا مشہور مرکز تھا۔ اور تاریخ کی عبرت سامانیوں کا ایک دلچسپ مرقع ہے قدیم ایام میں یہ شہر بے شمار حملوں کی آماجگاہ اور متواتر اور مسلسل قتل وغارت

کامیدان رہ چکا ہے۔ بدھ۔ ہندو۔ ہُن پٹھان۔ ترک مغل، سکھ اور انگریز یکے بعد دیگرے پشاور پر حکمران ہوئے۔ اور اب یہ شہر پاکستان کی آزاد حکومت کے تسلط میں ہے۔



پشاور کے عجائب گھر میں گندھارا سنگ تراشی اور بت گری کے شاہکار اور بدھوں کے دور کی عجوبہ روزگار یادگاریں محفوظ ہیں۔ یہاں کی لنگیاں، کلاہ اور جوتیاں مشہور ہیں، یہاں سے چھ میل کے فاصلہ پر مشہور تعلیمی ادارہ اسلامیہ کالج واقع ہے۔ اور دس میل کے فاصلہ پر جمرود کے تاریخی قلعہ سے درہ خیبر شروع ہو جاتا ہے۔

بنوں۔ کوہاٹ اور ڈیرہ اسمٰعیل مشہور چھاؤنیاں ہیں۔

قبائلی علاقہ

صوبہ سرحد میں کوہ ہمالیہ شرق سے، کوہ سفید مغرب سے، اور کوہ سلیمان جنوب سے آکر باہم ملتے ہیں۔ سطح مرتفع پامیر سے جو کشمیر کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ جنوب مغرب، کو کوہ ہندوکش نکلا ہوا ہے۔ کوہ ہندوکش اور کوہ سفید کے درمیان میں مشہور درہ خیبر واقع ہے جس کے سرے پر پشاور شہر ہے۔ درہ خیبر کے جنوب میں درہ کرم، درہ ٹوچی، درہ گومل اور درۂ بولان واقع ہیں۔ جن کے دامن میں بالترتیب کوہاٹ، بنوں، ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور کوئٹہ کے شہر ہیں۔ زمانہ قدیم

ہیں جتنے حملہ آور آئے ان راہی دروں سے گزرے۔ پاکستان اور افغانستان کا درمیانی علاقہ آزاد قبائل کا مسکن ہے۔ اور قبائلی علاقہ کہلاتا ہے۔ قبائلی علاقہ کا رقبہ ۲۷۹۹۸ اور آبادی ۱۹ لاکھ ہے۔ ان قبائل کے باشندے بہادر اور جفاکش ہیں بھیڑ بکریاں، اونٹ پالتے ہیں۔ اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان قبائل میں سے سواتی، مہمند، آفریدی محسود اور وزیری خاص مشہور ہیں۔ انگریزوں نے ان قبائل کو فوجی بل بوتے پہ مطیع کرنا چاہا مگر کامیاب نہ ہوئے۔ آخر ان کو خاموش رکھنے کے لئے ان کے ملکوں کو وظیفے دیئے گئے۔ پاکستان نے ان علاقوں سے اپنی تمام فوجیں ہٹالی ہیں اور اُن کی فلاح و بہبودی میں کوشاں ہے۔

قبائل کے لوگ بڑے درجہ کے مہمان نواز ہیں، اپنے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو۔ گھر کے افراد بھوکے رہیں۔ مگر مہمان کی خاطر تواضع اعلیٰ پیمانے پر کرتے ہیں پہاڑوں کے دامن میں رہنے والے گوشت کھانے اور کھلانے کے زیادہ دلدادہ ہیں، اکثر مہمانوں کی خاطرداری بکرے یا دنبے سے کی جاتی ہے۔ ایک دو مہمانوں کے لئے کئی کئی دنبے ذبح کر دیئے جاتے ہیں۔ مہمان کی خاطر داری کو فرض سمجھتے ہیں۔

قبائل کے لوگوں کی دوسری خاص صفت پناہ دینا ہے۔ کوئی بھی ان کے دامن میں پناہ لینے آئے۔ اس کی جان و مال کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر عائد ہو جاتی ہے۔ اس خوشگوار فرض کو نبھانے کے لئے جانی قربانی دینے سے

بھی دریغ نہیں کرتے، اگر ان کا بڑے سے بڑا دشمن بھی پناہ لینے کے لیے آ جائے، تو وہ انکار نہیں کرتے۔ اسے اپنی پناہ میں لینے کے بعد اس کی خاطر جان تک لڑا دیتے ہیں۔

قبائل کے لوگ اپنے ہمسایہ سے بھی قابلِ تعریف سلوک کرتے ہیں، پڑوسی کو بھی اپنے خاندان کا فرد تصور کرتے ہیں۔

پشاور سے دس میل آگے درہ خیبر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ وہی سنگلاخ اور دشوار گذار کوہستانی علاقہ ہے جس کا "پاک ہند" برِ صغیر کی تاریخ میں بار بار ذکر آتا ہے اور در اصل اس شاہراہ کا وہ اہم اور مشہور حصہ ہے جو وسط ایشیا کو اس برِ صغیر سے ملاتی ہے۔

اسی درۂ خیبر کے نسبتاً کم دیکھے مگر ہیبت ناک پہاڑوں اور ہلاکت خیز چٹانوں کے سایوں میں ان بڑی بڑی جنگ جُو اور جری قوموں کے طوفانی لشکر گزرے جن کی سطوت و جبروت کا ڈنکا صدیوں تک اس برِ صغیر میں بجتا رہا۔ اسی راستے سے سکندرِ اعظم، سلطان محمود غزنوی، تیمور لنگ، بابر اور نادر شاہ جیسے اولو العزم اور ہمت افزا سپہ سالار اس سرزمین میں داخل ہوئے ان ہی کہساروں میں سکندر کے قافلے بھی اپنے نشان و شوکت کے ساتھ گزرتے رہے ہیں۔ مگر یہ مہیب پہاڑ یہ ہولناک چٹانیں، یہ ڈراونے اور بھیانک کہسار اپنی ازلی خاموشی اور پُر اسرار بے اعتنائی میں غرق، انسان کی نقل و حرکت کے بدستور تماشائی ہیں۔

سرحدی ریاستیں

بعض مصلحتوں کی بنا پر سرحدی ریاستوں کی حد بندی کلیتاً ختم نہیں کی گئی۔ تاہم یہ ریاستیں ہر لحاظ سے مغربی پاکستان کا جزو ہیں، ان کے حالات علیحدہ علیحدہ درج کیے جاتے ہیں۔

چترال

ریاست چترال کا رقبہ ۵،۷۲۷ مربع میل، آبادی ۱۵۰،۷۲۴ اور سالانہ آمدنی سوا دو لاکھ روپیہ ہے۔

ریاست کے حکمران کو مہتر کہتے ہیں۔ موجودہ حکمران مہتر حاجی سیف الرحمن ہیں، جو امیر تیمور کی اولاد سے ہیں۔ امیر تیمور کا پوتا سلطان خاں ہرات کا بادشاہ تھا۔ اس کا پوتا مرزا ایوب جلاوطن ہو کر چترال میں پہنچا۔ اس وقت چترال میں سکندرِ اعظم کے خاندان میں سے ایک شخص حکمران تھا۔ مرزا کی شادی اس کی لڑکی سے ہو گئی۔ جو بچہ

پیدا ہوا۔ وہ موجودہ خاندان کا بانی تھا۔

یہ ریاست بالکل پہاڑی ہے۔ بلند پہاڑوں کی چوٹیاں گرمی کے دنوں میں بھی برف سے ڈھکی رہتی ہیں بے شمار ندی نالے بہتے ہیں۔ اکثر پہاڑوں سے گرم چشمے بھی نکلتے ہیں۔ قابلِ زراعت زمین میں گیہوں جو۔ مکئی، باجرا، کنگنی کی پیداوار ہوتی ہے۔ میوہ جات میں انگور، زردآلو، سیب، ناشپاتی، بادام اور اخروٹ بکثرت ہوتے ہیں۔

ریاست چترال معدنی دولت سے مالامال ہے۔ ہرتال، گندھک، سونا سُرمہ، چاندی، بلور، سیسہ وغیرہ اور دیگر معدنی اشیاء مختلف مقامات میں پائی جاتی ہیں۔

ریاست میں جنگلات کافی ہیں۔ جن میں دیودار کی لکڑی خاص طور پر پائی جاتی ہے۔

اکثریت کی زبان چترالی ہے، جو فارسی، اردو، سنسکرت اور پشتو کے ملاپ سے بنی ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگ اردو فارسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ۶ر اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ریاست کی پہلی اسمبلی کا اجلاس ہوا۔

امب

ریاست امب کا رقبہ ۲۰۳ مربع میل اور آبادی ۵۶۰۸۴ ہے۔ موسم گرما

کا دارالخلافہ شیر گڑھ اور موسم سرما دارہ بند ہے۔ سالانہ آمدنی قریباً ساڑھے تین لاکھ روپے ہے۔ ریاست کی پانچ ہزار باقاعدہ فوج ہے۔ امب میں ایک اسلحہ سازی کارخانہ ہے جس میں رائفلیں اور بم تیار ہوتے ہیں۔

موجودہ حکمران نواب سرزمان خاں ہیں۔ جو اپنے باپ کی وفات پر تیس سال کی عمر میں یا ۱۹۰۰ء میں گدی پر بیٹھے۔

دیر

ریاست دیر کا رقبہ ۲۰۴۰ مربع میل ہے۔ آبادی ۱۴۲۴۵ ہے۔ سالانہ آمدنی چار لاکھ روپیہ ہے۔ اس ریاست میں یوسف زئی پٹھان بستے ہیں۔ نواب دیر کے ماتحت الگ الگ کنبوں کے اپنے اپنے سردار ہیں۔

حکمران قبیلہ کے بانی ایک درویش ملا الیاس تھے جو سترھویں صدی میں گزرے ہیں۔ بہت مقبول شخصیت تھے۔

ریاست کی فوج پانچ ہزار نفر پر مشتمل ہے ملاکنڈ سے دیر تک پکی سڑک بنی ہوئی ہے۔ ریاست جنگلاتی دولت سے مالا مال ہے۔ حکمران نواب کہلاتا ہے

سوات

ریاست سوات کا رقبہ ۲۹۳۶ مربع میل ہے۔ اور آبادی ۱۸۵۹۶ اطاس

ریاست میں یوسف بابا کی اولاد کثرت سے آباد ہے۔ اس لئے یہ یوسف زائی بھی مشہور ہے۔ یہ ریاست پرانی نہیں، اعلیٰ حضرت میاں عبدالودود نے اس علاقے کے چند قبائل کو متحد کر کے جا بجا قلعے تعمیر کرائے۔ اور علاقے میں امن قائم کیا۔ ایک جرگہ نے انہیں حکمران منتخب کر لیا۔ ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کی برطانوی حکومت نے سوات پر ان کی حکمرانی تسلیم کر لی۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو وہ اپنے ولی عہد اور موجودہ والئ سوات میاں گل محمد عبدالحق جہاں زیب کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گئے

۳۲۶ ق۔م میں سکندرِ اعظم ریاست سوات میں پہنچا۔ اس وقت یہاں بدھ مت کا عروج تھا۔ مشہور چینی سیاح فاہین ۴۰۳ء میں یہاں سے گذرا۔ اس نے اپنے سفرنامے میں علاقہ سوات کے حالات بالتفصیل لکھے ہیں۔

۶۳۰ء میں دوسرا چینی سیاح ہیون سانگ سوات کے علاقہ میں سے گذرا۔ اس وقت بدھ مت زوال پر تھا۔ گیارہویں صدی کے آغاز میں جب محمود غزنوی نے افغانوں کے لشکر کی کمک سے ہندوستان پر حملے شروع کئے۔ تو افغانوں کے لشکر کے سردار پیر خوشحال بابا نے سوات کے علاقہ میں تبلیغ اسلام کی مہم جاری کی۔

ریاست کے حکمران کو والی کہتے ہیں۔ موجودہ والی نہایت محنتی اور فرض شناس حکمران ہیں۔ ان کے عہد میں ریاست نے دن دونی اور رات چوگنی ترقی کی ہے۔ ریاست کا انتظام نہایت اعلیٰ ہے تعلیم کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ سڑکیں اور نئے ہسپتال کھولے جا رہے ہیں۔ ڈاک، تار، بجلی، ٹیلیفون کا بندوبست سرعت سے

کیا جا رہا ہے۔ ریاست کی آمدنی پچاس لاکھ روپیہ ہے۔ مکی چاول، گندم۔ گنا۔ سرسوں، تمباکو اور مختلف قسم کی دالیں پیدا ہوتی ہیں۔ خشک میوہ جات کے باغات بھی ہیں۔

ریاست میں اونی کمبل تیار ہوتے ہیں، دریائے سوات زمین سیراب کرتا ہے۔ چند سالوں سے پاکستان کے دوسرے حصّے کے لوگ یہاں سیر و تفریح کیلئے آنا جانا شروع ہو گئے ہیں۔

ریاست کا دار الخلافہ سیدو شریف ہے۔ یہاں حضرت سیدو بابا کا مزار ہے پاس ہی منگورہ ایک تجارتی شہر ہے۔ دیگر مشہور شہر چہار باغ خوازہ خیلہ، مدین اور بحرین ہیں۔

اہل سوات کا دعویٰ ہے۔ کہ انکی ریاست میں اسلامی قانون نافذ ہے۔ اور اس معاملہ میں وہ پاکستان سے سبقت لے گئے ہیں۔

پھلیرہ

پھلیرہ ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ کُل ۹۰ چھوٹے چھوٹے دیہات ہیں جن میں دس ہزار کے قریب انسان بستے ہیں۔ حکمران خان کہلاتا ہے۔

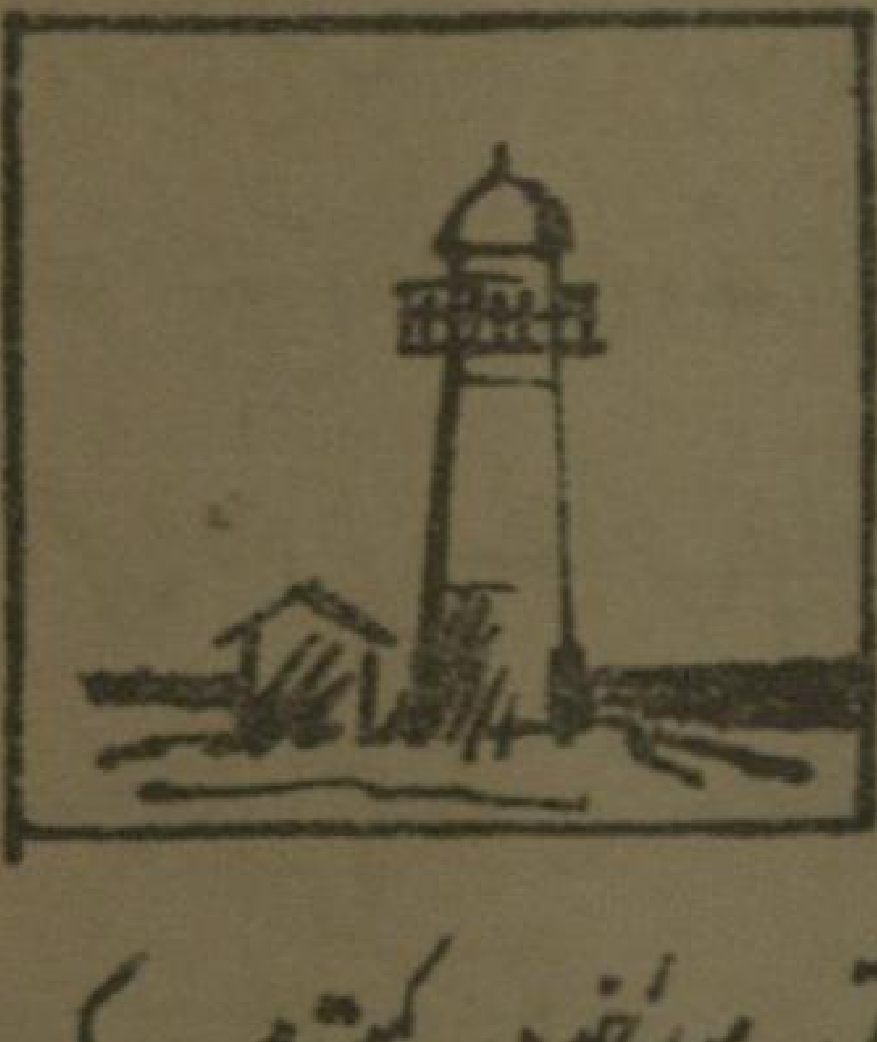
موجودہ حکمران خان عبداللطیف خاں ہیں۔ جو ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵ ستمبر ۱۹۳۵ء کو گدی نشین ہوئے۔

سالانہ آمدنی تیس ہزار روپیہ ہے۔ ریاست کی فوج دو سو نفر پر مشتمل ہے۔

(۳)

نظامتِ کراچی

سنہ ۱۹۵۲ء میں نظامتِ کراچی کو چیف کمشنر کے صوبہ کا درجہ دیا گیا۔ مگر اب یہ علاقہ مغربی پاکستان میں شامل کر دیا گیا ہے۔ البتہ آئین کی منظوری تک مرکز کے ماتحت رہیگا۔ اس کا رقبہ ۸۱۲ میل مربع میل اور آبادی ۱۱۲۶۴۱۷ ہے۔



کراچی مملکتِ پاکستان کا دارالسلطنت ہے اور اس ملک کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ کراچی کا شمار مشرق کے متمول اور خوبصورت شہروں میں ہوتا ہے۔ اس شہر کی بتدریج ترقی اپنی جگہ پر ایک طویل افسانہ ہے۔ مختصراً یہ کہ کراچی کبھی مچھلی پکڑنے والوں کی گمنام بستی تھی۔ مورخین یہ کہتے ہیں کہ خلیج کراچی ساحلِ سمندر یہ وہی مقام ہے جسے سکندرِ اعظم نے "بیون" کہا ہے۔ اور کراچی کا موجودہ محلِ وقوع بھی وہی ہے جس کو یونانی مورخ "کوروکولا" لکھتے ہیں۔ نیز کراچی کو دیبل کی اس قدیم بندرگاہ سے بھی تعلق ہے۔ جہاں سنہ ۹۲ھ میں عربی سپہ سالار محمد بن قاسم ہندوستان کی سرزمین پر اُترا۔

اٹھارویں صدی کے آغاز میں جہاں اس وقت کراچی ہے۔ وہاں ایک چھوٹا سا مچھیروں کا گاؤں تھا۔ جس کے قریب ہی ایک جوہڑ یا کچا تالاب "کراچی کن" کے نام سے مشہور تھا۔ ۱۷۲۹ء میں قلات سے ایک مالدار سوداگر نے اس مختصر آبادی کو ایک ترقی پذیر اور بارونق شہر میں تبدیل کر دیا۔ شہر کے چاروں طرف لکڑی اور مٹی کا کچا حصار تعمیر کر کے ایک قلعہ کی شکل دے دی، موجودہ شہر کراچی میں "میٹھادر" اور "کھارادر" اسی قلعے کی یادگار اب تک باقی ہے۔ ان ایام میں یہ شہر "کلاچی" کے نام سے پکارا جاتا تھا جس کے معنی ریت کے ٹیلے کے ہیں، اور اسی کلاچی کا نام تدریج بگڑ کر دیا ہن کر "کراچی" ہو گیا۔

مدتوں تک کراچی ایک آزاد شہر کی حیثیت سے ان ہی کاروباری لوگوں کے تحت رہا۔ جنہوں نے اس کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اس کے بعد سندھ کے "کلہوروں" نے اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر خانِ قلات کے زیر حکومت آ گیا۔ اس کے بعد "تالپوریوں" کے تصرف میں چلا گیا۔ ۱۸۳۹ء میں ایک مختصر سی بحری جھڑپ کے بعد انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ اور ۱۹۴۷ء میں آزاد مملکت پاکستان کا دارالسلطنت بن گیا۔

کراچی کی بندرگاہ کو جنوب مغربی ایشیا اور یورپ کے نزدیک ہونے کے اعتبار سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ بندرگاہ قدرتی ہے۔ اور سمندر کے طوفانوں سے محفوظ۔ ہر اعتبار سے جدید اور ترقی یافتہ ہے۔ جہازوں کی آمد و رفت اور مال

کے اتار چڑھاؤ کے لئے مروجہ لوازمات سے آراستہ ہے منوڑا کے جزیرہ میں ۴۰ فٹ بلند روشنی کا مینارہ ہے۔ جو بندرگاہ میں داخل ہونے کے لئے جہازوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ مغربی پاکستان کی تمام پیداوار اسی بندرگاہ سے بیرون ممالک کو بھیجی جاتی ہے۔

کراچی ہوائی جہازوں کا بھی اہم اڈہ ہے۔ مغربی اور مشرقی ممالک سے جو ہوائی جہاز آتے جاتے ہیں۔ وہ یہاں آکر ٹھہرتے ہیں۔ اور یہاں ہوائی جہازوں کے رات کے وقت اترنے کی سہولتوں کے لئے روشنی کے جدید ترین آلات نصب کئے گئے ہیں۔

ایک سیاح کراچی میں قدیم اور جدید تہذیب وتمدن کے نمایاں پہلو ایک ہی نظر میں دیکھتا ہے۔ جہاں ماضی وحال کی چلتی پھرتی نمائش جاری ہے۔ کہیں برق رفتار موٹر کاریں کھڑکھڑاتی ہوئی اونٹ گاڑیوں کے برابر سے گزر رہی ہیں، کہیں تیز رفتار ہوائی جہاز آہستہ آہستہ چلنے والی گدھے گاڑیوں پر سایہ ڈال رہے ہیں کہیں بلند اور شاندار عمارتیں ہیں، اور ان کے پاس ہی اونی اونی سی جھونپڑیاں ہیں۔

عجائب گھر۔ ہوا بندر۔ منوڑا۔ منگا پیر قابلِ دید جگہیں ہیں۔

زرعی دولت

انسانی ضروریات کے لیے مندرجہ ذیل اشیا، ضروری ہیں:۔

(۱) اناج مثلاً گیہوں، چاول، مکئی۔

(۲) میوہ جات اور تکلف کی چیزیں مثلاً پھل، کھانڈ، چائے

(۳) حیوانی پیداوار مثلاً اُون، ریشم، گوشت، مکھن، دہی۔

(۴) کپڑا بُننے کے ریشے، مثلاً کپاس، سن۔

پاکستان کی زرعی پیداوار کا اندازہ کرتے ہوئے ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان بہت ہی خوش نصیب ملک ہے۔ کیونکہ زرعی اور غذائی لحاظ سے نہ صرف خود کفیل ہے۔ بلکہ عام حالات میں اس کے پاس غیر ممالک میں تقسیم کرنے کے لیے کافی مقدار میں فالتو غلہ بچ رہتا ہے۔ جیسے جیسے صنعتی اور زراعتی ترقی کی اسکیمیں پایۂ تکمیل کو پہنچتی جائیں گی۔ باوجود آبادی اور زیادہ بڑھنے کے پاکستان ضرورت سے زیادہ غلہ پیدا کرتا رہے گا۔

اب ہم پاکستان کی ضروری زرعی پیداوار کا جائزہ لیتے ہیں۔

گندم



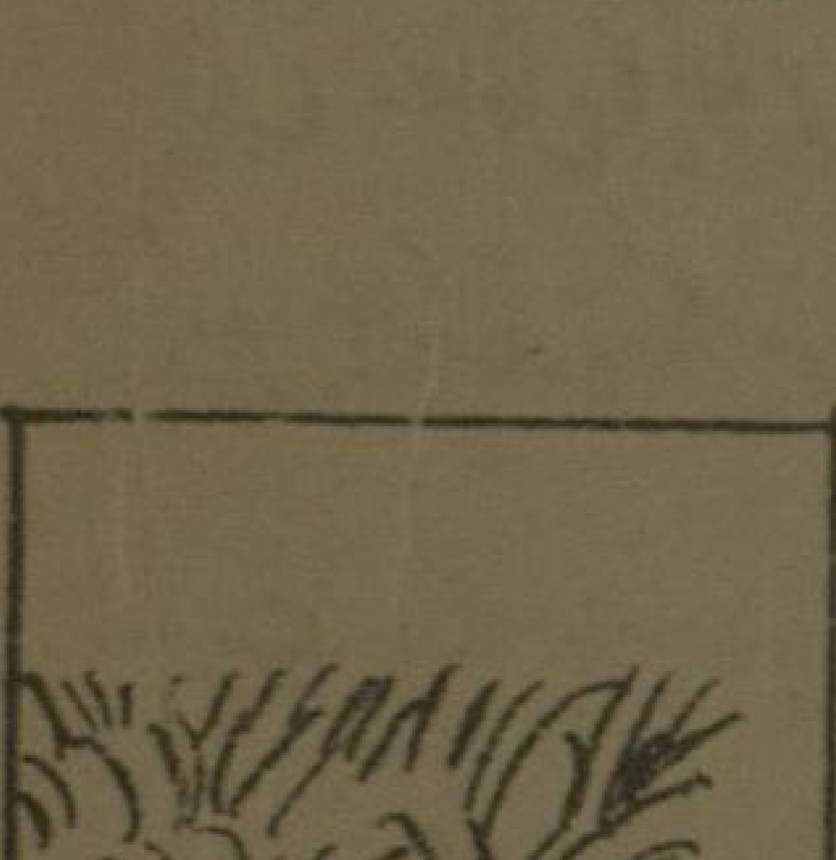
گندم کو بوتے وقت سرد اور مرطوب آب وہوا کی ضرورت ہوتی ہے اور پکنے کے وقت گرمی اور خشکی درکار ہوتی ہے۔

گندم اکتوبر سے دسمبر تک بوئی جاتی ہے۔ اور مارچ سے جون تک کاٹی جاتی ہے۔ اس کی پیداوار کے لئے زرخیز چکنی مٹی درکار ہوتی ہے۔

گیہوں مغربی پاکستان کے لوگوں کی عام غذا ہے۔ گندم کا بھوسہ مویشیوں کا من بھاتا کھاجا ہے۔

پاکستان میں گندم ایک کروڑ سے زائد ایکڑ میں بوئی جاتی ہے۔ اس کی پیداوار قریباً ۳۶ لاکھ ٹن ہے۔ گندم کی کاشت مغربی پاکستان میں قریباً ہر جگہ ہوتی ہے

چاول



چاول کے لئے زیادہ پانی اور گرمی کی ضرورت ہوتی ہے جس علاقے میں بارش زیادہ ہوتی ہو وہاں چاول کی فصل میں چنداں دقت نہیں ہوتی۔ جہاں پانی کی قلت ہو وہاں فصل پیدا کرنے کے لئے پانی کا بندوبست کرنا پڑتا ہے۔

چاول مغربی پاکستان کے باشندوں کی خوراک نہیں مگر راشن بندی

اور غذائی قلت کے باعث یہ لوگ بھی چاول کھانے کے عادی ہو رہے ہیں۔

چاول پاکستان میں اڑھائی کروڑ ایکڑ زمین پر کاشت کیا جاتا ہے۔ ہر سال اس کی پیداوار نوے لاکھ ٹن سے زیادہ ہوتی ہے۔ مشرقی پاکستان کی سب سے اہم فصل ہے چنانچہ مشرقی پاکستان میں ۸۰ لاکھ ٹن اور مغربی پاکستان میں ۱۲ لاکھ ٹن پیدا ہوتا ہے۔ مغربی پاکستان میں اس کی کاشت نہری علاقوں اور دریائے سندھ کے ڈیلٹا میں کی جاتی ہے۔

چاول کی کاشت میں مشینری استعمال نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہاتھ سے کام کرنا پڑتا ہے۔ چاول کو مشینوں کے ذریعہ سے موہنج سے علیحدہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں اس قسم کے بے شمار کارخانے ہیں۔ بعض کارخانوں میں موہنج کو بطور ایندھن استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسرے کارخانے مٹی کے تیل سے چلائے جاتے ہیں۔ چاول کا گھاس خشک ہو کر سخت ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ چارہ کے کام نہیں آسکتا۔ یہ عام طور پر جلانے کے کام آتا ہے۔ یا مکان کی چھتیں ڈالنے اور چٹائیاں بننے کے۔

صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ اس سے گتہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور مشرقی پاکستان میں اس صنعت کو بہت فروغ دیا جا سکتا ہے۔

کپاس

وادی سندھ میں یہ پہلی دفعہ ہزار ہا سال سے پیدا ہو رہا ہے موہنجوداڑو

کے مقام سے ماقبل تاریخ کے زمانہ میں جو اشیاء برآمد ہوئی ہیں۔ ان میں روئی
کے کپڑے کے ٹکڑے بھی ہیں بابل اور یونان کی قدیم زبانوں میں کپاس کے لئے
سندھو کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے، کہ قدیم زمانہ میں وادی سندھ
کی کپاس باہر بھیجی جاتی تھی۔

کپاس زیادہ تر مغربی پاکستان میں کاشت کی جاتی ہے۔ مشرقی پاکستان
میں آجکل چٹاگانگ کے پہاڑی علاقوں میں صرف بیس ہزار گانٹھوں کی پیداوار ہوتی
ہے۔ قدیم زمانے میں تو یہاں بھی کپاس کافی مقدار میں پیدا ہوتی ہوگی جبھی تو ڈھاکہ میں تیار
ہونے والی ململ کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔

"روپہلی ریشہ" مغربی پاکستان کی ایک اہم فصل ہے چنانچہ کپاس کے متعلق لائلپور
کے اپنے مرکز کے علاوہ ملتان، خانیوال، جھنگ اور خیرپور میں ریسرچ
کا کام ہوتا ہے۔

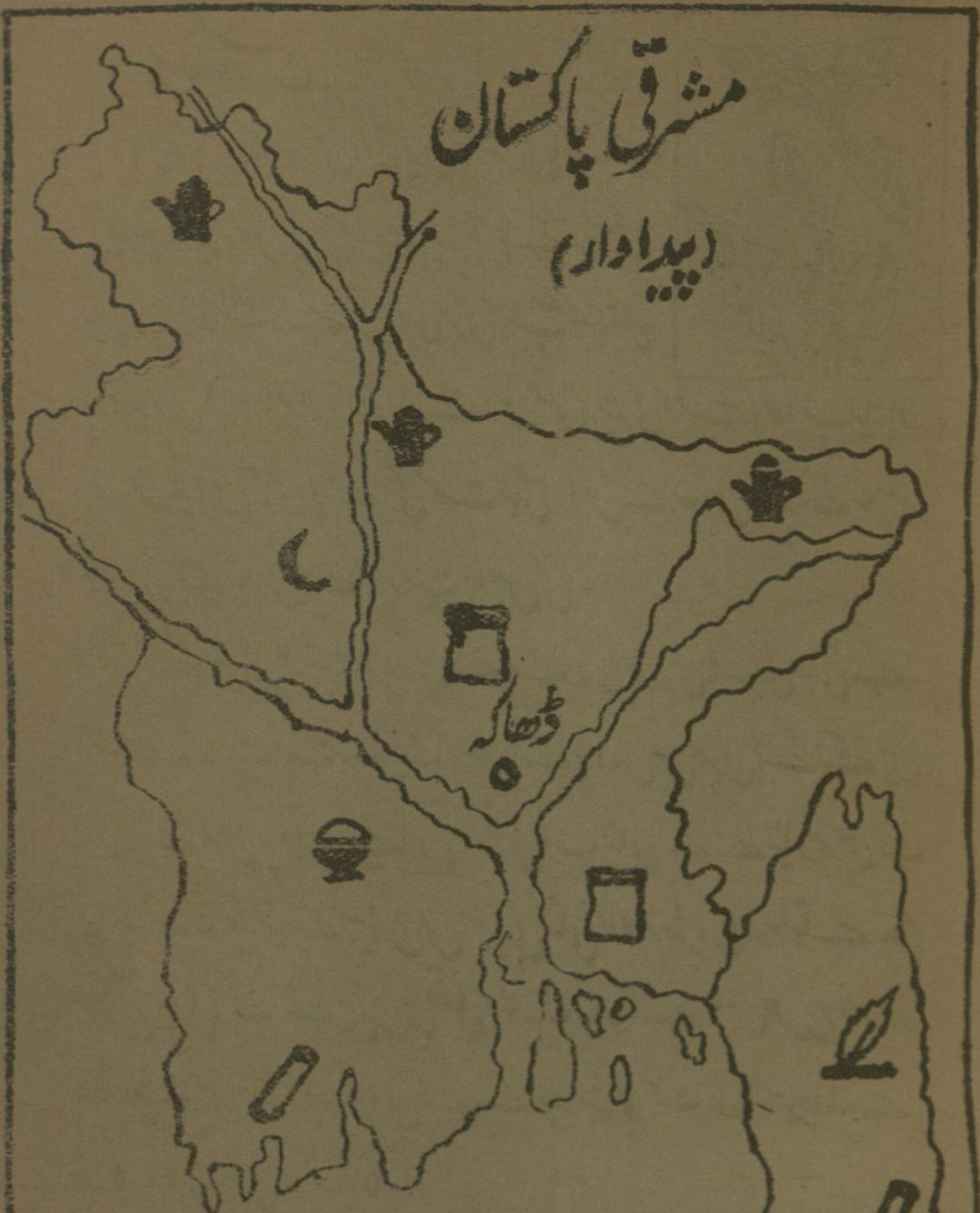
پاکستان میں عام طور پر دو قسم کی کپاس کاشت کی جاتی ہے۔ ۲۰ فیصدی
دیسی اور ۸۰ فیصدی امریکن۔ امریکن کپاس کا ریشہ لمبا اور اعلیٰ قسم کے پارچات
بنانے میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے دیسی کپاس کی نسبت زیادہ قیمت پاتی
ہے۔ امریکن کپاس کی کاشت ہندوستان میں سنہ ۱۸۶۰ء میں شروع ہوئی۔ جب
امریکہ میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ .... اور لنکا
شائر کے کارخانوں میں کپاس کی کمی محسوس ہوئی۔ تو انگریزوں نے امریکن کپاس

کی کاشت ہندوستان میں شروع کردی۔ امریکن کپاس کی کئی قسمیں ہیں۔ لائلپور کا زراعتی کالج ریسرچ کا مرکز ہے۔

زرعی آلات کی قلت اور زیادہ محنت سے بچنے کے لئے کاشتکار دیسی کپاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ موٹے کپڑے کے لئے سب سے موزوں دیسی کپاس ہوتی ہے۔ اس لئے کاشتکار خود اپنے ہاتھ سے کپڑا تیار کرنے کے لئے دیسی کپاس کی کاشت کو ترجیح دیتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ کپاس مصر میں پیدا ہوتی ہے۔ پاکستان میں ایک ایکڑ زمین میں سوا من کے قریب کپاس پیدا ہوتی ہے۔ مگر مصر میں پانچ من کے قریب۔ اور امریکہ میں ڈھائی من کے قریب۔ پاکستان میں ایک ہی زمین میں کپاس کی فصل کاٹنے کے بعد غلہ کی فصل بو دی جاتی ہے۔ مگر مصر اور امریکہ میں ایسا نہیں ہوتا۔

پاکستان میں "زیادہ غلہ اگاؤ" کی مہم کا اثر کپاس کی کاشت پر بھی پڑا۔ چنانچہ ۱۹۵۲-۵۳ء میں صرف تیس لاکھ ۹۴ ہزار ایکڑ میں کپاس کی کاشت کی گئی اور ۱۳ لاکھ ۱۷ ہزار گانٹھیں پیدا ہوئیں۔ ہر گانٹھ ۳۹۲ پونڈ وزنی تھی۔


مشرقی پاکستان
(پیداوار)
ڈھاکہ
عمارتی لکڑی
چینی
تمباکو
پٹ سن
چاول
چائے



پٹ سن

پٹ سن کا سنہری ریشہ یوں تو مشرقی پاکستان میں ایک ہزار سال قبل مسیح سے پیدا ہو رہا ہے۔ لیکن اس کی برآمد ۱۷۹۱ء سے قبل نہیں ہوئی۔ جب ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہوا۔ تو انہوں نے اس قیمتی ریشہ کی اہمیت کو بھانپ لیا۔ اور اس طرح اس "جنگلی پودے" کی قسمت جاگی۔ اس کے بعد اس ریشہ نے عالمگیر بازار میں بڑی تیزی سے مقبولیت حاصل کی۔

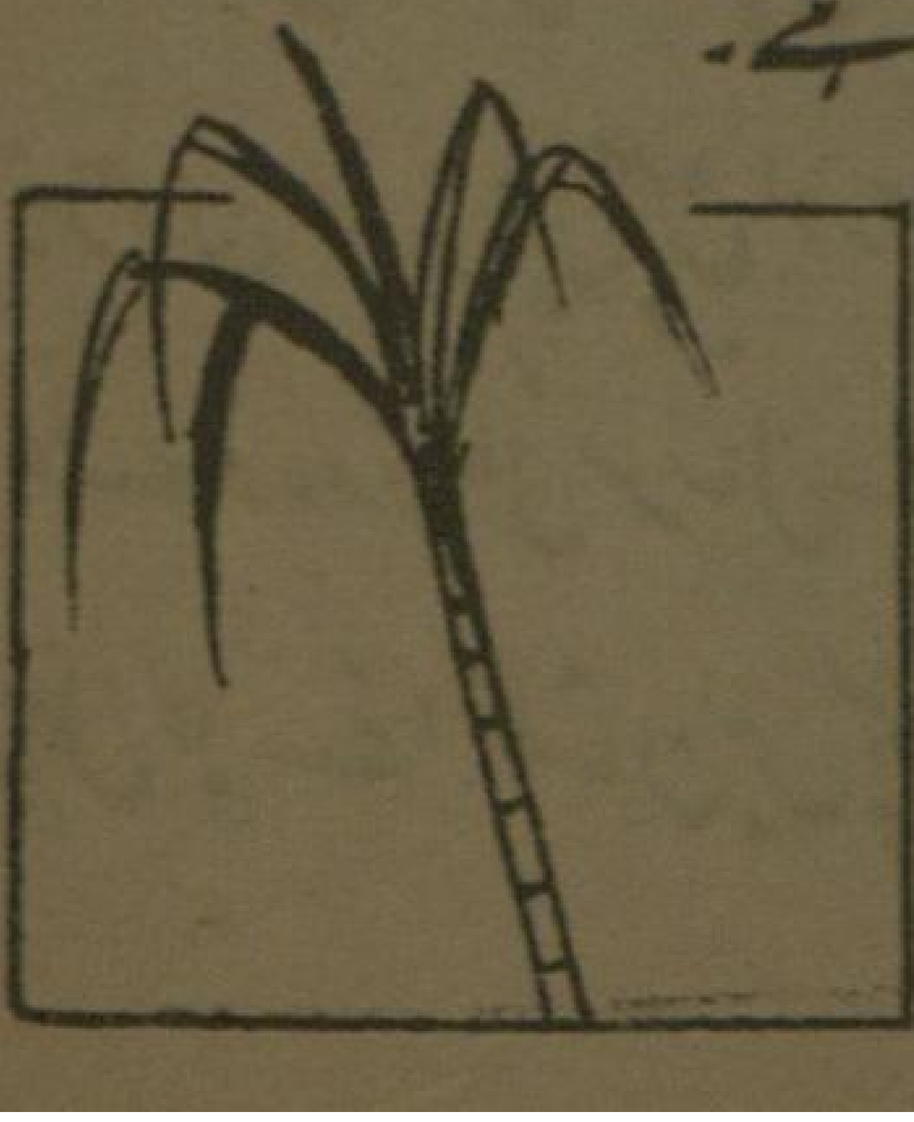
پٹ سن کی کاشت فروری سے شروع ہو کر مئی تک کی جاتی ہے۔ اگست کے پہلے ہفتہ تک پٹ سن کے پودوں میں پھول آنے لگتے ہیں جس سے کسان یہ جان لیتے ہیں۔ کہ فصل اب کٹائی کے لئے تیار ہو چکی ہے چنانچہ اگست اور ستمبر کے مہینوں میں اس کی کٹائی کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ عام طور پر پھول آنے سے پیشتر ہی فصل کو کاٹ لیا جاتا ہے۔ اس طرح نرم اور ملائم ریشہ حاصل ہوتا ہے۔ پھول آنے کے بعد ریشہ کچھ سخت اور موٹا ہو جاتا ہے جو زیادہ کارآمد نہیں ہو سکتا۔

کٹائی کے بعد پودوں کی چھوٹی چھوٹی پولیاں بنائی جاتی ہیں۔ ان پولیوں کو تین چار دن تک یونہی کھلی ہوا میں پڑا رہنے دیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد انہیں پانی کے بڑے بڑے تالابوں میں اچھی طرح بھیگنے کے لئے ڈال دیا

جاتا ہے۔ دس دن سے لے کر تین ہفتوں تک یہ پولیاں اسی طرح پانی میں پڑی رہتی ہیں۔ جب پٹ سن کی شاخیں اچھی طرح نرم ہو جاتی ہیں۔ تو انہیں باہر نکال کر شاخوں سے ریشے اتار لئے جاتے ہیں۔ ان ریشوں کو پانی میں مل مل کر خوب اچھی طرح دھویا جاتا ہے۔ اور سوکھنے کے لئے دھوپ میں لٹکا دیا جاتا ہے۔ سوکھ جانے کے بعد یہ ریشے سنہری رنگت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور دنیا بھر کے سفر پر روانہ ہونے کے لئے بالکل تیار ہو جاتے ہیں۔

پٹ سن کے خام مال کی گانٹھیں بڑی بڑی مشینوں کے ذریعے باندھی جاتی ہیں۔

پٹ سن ٹاٹ کی بوریاں، قالین۔ گھٹیا کپڑے۔ پردے کمبل، دیواروں کے غلاف اور پلاسٹک فرنیچر بنانے کے کام آتا ہے۔ ساری دنیا کا ۸۵ فیصدی حصہ مشرقی پاکستان میں پیدا ہوتا ہے۔ پٹ سن کے کارخانے زیادہ تر دریائے ہگلی کے کنارے کلکتہ کے آس پاس تھے۔ جو تقسیم کی وجہ سے ہندوستان کے حصہ میں چلے گئے۔ پٹ سن کی کاشت سرکاری کنٹرول کے مطابق کی جاتی ہے سنہ ۱۹۵۴-۵۵ء کے دوران میں ۴۲ لاکھ گانٹھوں کی پیداوار کا تعین کیا گیا ہے۔



نیشکر

نیشکر (گنا) کی کاشت کے لئے سخت اور چکنی یا سرخ رنگ کی زمین درکار ہے اس کی کاشت

مشرقی و مغربی تمام پاکستان میں ہوتی ہے۔ لیکن مشرقی پاکستان کی آب و ہوا مرطوب ہونے کی وجہ سے وہاں گنا اچھا نہیں ہوتا اور فی ایکڑ پیداوار بھی کم ہے۔

چائے



دنیا میں چائے پینے کا اس قدر رواج ہو گیا ہے کہ کوئی مجلس اس کے بغیر مکمل نہیں سمجھی جاتی۔ کسی کی خاطر تواضع کرنی ہو۔ تو نظرِ انتخاب سب سے پہلے چائے ہی پر پڑتی ہے۔ چائے کے استعمال سے تھکان زائل ہوتی ہے۔ جسم و دماغ میں ایک قسم کی حرکت و طاقت پیدا ہوتی ہے۔ چائے پیاس کو تسکین دیتی ہے۔ جسم کے گندے فضلات کو بذریعہ پسینہ و پیشاب خارج کرتی ہے۔ مگر چائے کے کثرتِ استعمال سے اختلاج قلب، بے خوابی، قبض، خشکی، لاغری اور ضعف اعصاب وغیرہ امراض پیدا ہوتے ہیں۔

یوں تو چین میں چائے کا پودا سنِ عیسوی سے بھی صدیوں پہلے اُگتا تھا۔ مگر آٹھویں صدی تک چین والے اسے صرف دوا کے طور پر کام میں لاتے تھے تیرھویں صدی میں چین اور جاپان میں چائے کا استعمال عام ہونے لگا۔ یورپ والے تو ڈھائی سو سال پہلے چائے کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ جب پہلے پہل چائے انگلستان میں پہنچی تو وہاں کے لوگوں کو اس کے استعمال کا طریقہ

معلوم نہ تھا۔ وہ چائے کے پتوں کو ابال کر پانی تو پھینک دیتے تھے۔ اور اُبلے ہوئے پتے روٹی اور مکھن پر لگا لگا کر کھا لیتے تھے۔

خودرو حالت میں چائے کا پودا اچھا خاصا درخت ہوتا ہے۔ لیکن جہاں جہاں چائے کے کھیت ہیں، وہاں کاشتکار لوگ کاٹ چھانٹ کر کے اسے تین چار فٹ سے زیادہ بڑھنے نہیں دیتے۔ تاکہ پتی چُننے والے آسانی سے ہاتھ بڑھا کر ہر ٹہنی پر سے پتی اتار سکیں۔ ایک موسم میں پندرہ بیس دفعہ پتی چنی جاتی ہے۔

سیاہ اور سبز چائے کے پودے الگ الگ نہیں ہوتے۔ بلکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، صرف اتنا فرق ہے۔ کہ اگر سیاہ چائے کی ضرورت ہو تو پہلی دفعہ پتیاں سکھانے کے بعد ان کا خمیر اٹھایا جاتا ہے۔ اگر سبز چائے بنائی ہو۔ تو خمیر نہیں اٹھایا جاتا۔

پاکستان میں چائے کی کاشت ضلع سلہٹ اور چٹاگانگ کی پہاڑیوں پر ہوتی ہے۔ اس صنعت پر پچاس کروڑ کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔ قریباً ۱۳۲ باغات ہیں۔ یہ ۱۵ ایکڑ سے لے کر ۲۵۰۰ ایکڑ اراضی پر مشتمل ہیں۔ ۷۴۹۰۰ ایکڑ اراضی زیر کاشت ہے۔ ۱۹۵۴ء میں چائے کی کل پیداوار اندازاً سوا پانچ کروڑ پاؤنڈ ہے۔ برطانیہ پاکستانی چائے کا سب سے بڑا گاہک ہے۔

دیگر پیداوار



ان کے علاوہ مکئی، چنے، باجرہ، جو، تیل نکلنے والے بیج مثلاً سرسوں، تل، السی وغیرہ، دالیں، ماش، مونگ، مسور وغیرہ کی فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ تمباکو کی کاشت ۴ لاکھ ایکڑ رقبہ میں کی جاتی ہے۔

پھل اور میوہ جات



پاکستان کی چار لاکھ ۹۲ ہزار ایکڑ زمین میں پھلوں اور میوہ جات کی کاشت ہوتی ہے۔ سوا دو لاکھ ایکڑ مشرقی پاکستان میں اور باقی مغربی پاکستان میں۔ پنجاب کی سوا دو لاکھ ایکڑ زمین میں تو باقاعدہ باغات ہیں۔ ۴۲ ہزار ایکڑ زمین کی کاشت ان درختوں پر مشتمل ہے جو کھیتوں، سڑکوں اور نہروں کے کنارے پھیلے ہوئے ہیں۔ ملتان، ڈیرہ غازیخاں، مظفر گڑھ کے اضلاع میں کھجور اور آم کے درخت میدانی علاقہ میں مالٹا، سنگترہ، میٹھا، لیموں، آم، کھجور، بیر وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور پہاڑی علاقوں میں بادام، سیب، ناشپاتی وغیرہ۔ بلوچستان سیب، انگور، خوبانی وغیرہ کے لئے خاص طور پر مشہور ہے۔ شمال مغربی علاقہ میں تمام میوہ جات، مشرقی پاکستان میں نارنگی، کیلا، آم اور انناس کی خوب کاشت ہوتی ہے۔ سلہٹ کی نارنگی، منشی گنج کا کیلا۔ ضلع مالدہ کا آم خاص طور پر مشہور ہے۔

پاکستان میں ہر سال چار کروڑ من پھل اور میوہ جات پیدا ہوتے ہیں۔ جن کی قیمت کا اندازہ چالیس کروڑ روپیہ ہے۔ دو کروڑ من پھل اور میوہ جات پاکستان میں صرف ہو جاتے ہیں اور باقی دو کروڑ من غیر ممالک کو بھیج دیئے جاتے ہیں۔

اس وقت پاکستان میں پھلوں کو محفوظ کرنے اور ان کا رس نکالنے کے ۲۰۴ کارخانے موجود ہیں۔ جو ہماری ضرورت کے لحاظ سے بالکل ناکافی ہیں۔ پھلوں اور میوہ جات کو ڈبوں میں محفوظ کرنے، ان کا رس نکالنے اور ان سے مربّے، چٹنیاں وغیرہ تیار کرنے کی صنعت کو کافی فروغ دیا جا سکتا ہے۔

جنگلات



گھریلو اور صنعتی ضروریات پورا کرنے کے لئے ہر متمدن ملک میں کم و بیش ۲۵ فیصدی رقبہ میں جنگلات کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ریاستوں کو چھوڑ کر پاکستان میں جنگلات کا مجموعی رقبہ ۱۲۵۰۲ مربع میل ہے یعنی کل زمین کا ۲ء۴٪ حصہ۔ یہ رقبہ ایک تو ہے بہت تھوڑا۔ دوسرا غیر مساوی طور پر پھیلا ہوا ہے مشرقی پاکستان میں یہ تناسب ۱۶ء۵۷ اور مغربی پاکستان میں ۳ء۳ ہے

جنگلات کے بڑے بڑے فائدے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جنگلات سے جلانے کی لکڑی اور عمارتی لکڑی دستیاب ہوتی ہے۔

۲۔ جنگلات سے کئی قسم کے تیل مثلاً صندل کا تیل، تارپین کا تیل، اور چمڑا رنگنے

کا سامان حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ جنگلات ملک کی صنعت و حرفت پر بلا واسطہ اثر انداز ہوتے ہیں ان کی پیداوار سے کئی قسم کے کارخانے چلائے جاتے ہیں۔ مثلاً کاغذ، دیا سلائی، ربڑ۔ لکڑی چیرنے، ریشم، کھلونے اور آرائشی سامان۔ گندہ بیروزہ صاف کرنے اور ٹوکرے ٹوکریاں بنانے کے کارخانے وغیرہ۔

۴۔ جنگلات سے مویشیوں کے لئے چارہ حاصل ہوتا ہے۔

۵۔ جنگلات میں جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں۔ جو دوائیوں کے کام آتی ہیں۔

۶۔ جنگلات کی وجہ سے لاکھوں اشخاص روزی حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً لکڑی کاٹنے اور چیرنے والے، دریاؤں میں لکڑی کے بلندے باندھنے اور نکالنے والے، کشتیاں بنانے اور لاکھ کا کام کرنے والے اس طرح جنگلات ملک میں بیکاری نہیں پھیلنے دیتے۔

۷۔ جنگلات ہوا میں ٹھنڈک پیدا کرتے ہیں اس سے عمل تکاثف میں مدد ملتی ہے۔ خشک ہواؤں کو روکتے ہیں۔ اور بارش خوب ہوتی ہے۔

۸۔ جنگلات کی وجہ سے زراعت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ زرخیز مٹی کچھ تو دھوپ کے کیمیائی عمل سے اور کچھ نباتات کے مردہ اجزا کی ملاوٹ سے بنتی ہے جنگل کے درخت جھاڑیاں اور گھاس اس مٹی کو آندھی سے اڑجانے اور مینہ سے بہ جانے سے بچائے رکھتے ہیں ان کے گرے پڑے پتے اور پھل پھول مٹی

ہیں مگر سال بہ سال اس کی زرخیزی میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کی جڑیں سطحی تہ کے نیچے پھیل کر مٹی کو اسفنج کی طرح مسامدار اور جاذب بناتی ہیں جس میں ہوا اور پانی داخل ہو کر اسے غلہ، لکڑی اور دیگر اجناس پیدا کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ ایسی مٹی بارش کے پانی کا قریباً ۸۰ فیصدی حصہ جذب کر لیتی ہے۔ حالانکہ درختوں کے بغیر زمین مشکل سے ۳۵ فیصدی جذب کرتی ہے۔

۹۔ جنگلات کے نیچے جو گھنی روئیدگی ہوتی ہے۔ وہ اپنے اندر پانی کو جذب رکھتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ چھوڑتی ہے۔ اس وجہ سے جو ندی نالے جنگلات سے نکلتے ہیں۔ ان میں سارا سال پانی بہتا رہتا ہے۔ نہ تو خشک موسم میں پانی کم ہوتا ہے۔ نہ بارش کے دنوں میں بہت طغیانی آتی ہے۔

ننگی زمین پر بارش ہوتی ہے۔ تو وہ مٹی کی سطح اکھیڑ کر ساتھ بہا لے جاتی ہے۔ مگر جنگلوں میں درختوں کے جھنڈ، جھاڑیاں اور گھاس بارش کی شدت کو کم کر دیتے ہیں۔ اور سطح کی مٹی کے کٹنے کی نوبت نہیں آتی۔ پھر اسفنجی زمین پانی کو جذب کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اور زمین کا جذب کیا ہوا پانی رس رس کر چشموں میں پہنچتا رہتا ہے جس کی بدولت چشمے برابر جاری رہتے ہیں۔

۱۰۔ جنگلات سے ملک کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

جنگلات میں ہزاروں قسم کے درندے اور جانور رہتے ہیں۔ جن میں اگر کچھ آدمی کے لئے ضرر رساں ہیں۔ تو اکثر مفید ہیں۔ یہ مخلوق انسان کی زندگی

میں گوناگوں رنگ آمیزی کرتی ہے۔ شکاری شیر اور ہاتھی کا شکار کرتے ہیں۔
چیڑیا گھر والے ریچھ۔ بندر پکڑتے ہیں تو شہد کی مکھیاں شہد بناتی ہیں۔

۱۲۔ جنگلات انسانوں کو تازہ اور صاف ستھری ہوا بہم پہنچاتے ہیں۔

۱۳۔ جنگلات سے حکومت کو آمدنی ہوتی ہے۔

جنگلات میں اضافہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ

۱۔ عوام "درخت اگاؤ" کی مہم کی سرگرمیوں میں اضافہ کرنے کے لئے حکومت کا ہاتھ بٹائیں۔ ہر شخص کو چاہیئے۔ کہ اپنے گھر میں اپنے کھیت میں اور جہاں جہاں بھی ہو سکے، درخت بوئے، اور حفاظت کے ساتھ ان کی پرورش کرے۔
درخت لگانا اور اس کی پرورش کرنا سنت رسول اللہؐ ہے۔

۲۔ حکومت کو چاہیئے۔ کہ ہر زمیندار پر فی مربع چند درخت لگانے کی پابندی عائد کر دے۔

۳۔ سڑکوں، نہروں اور دریاؤں کے کنارے کارآمد درخت لگانے چاہیئں۔ مثلاً شہوت کا درخت، کھیلوں کا سامان بنانے اور ریشم سازی کی صنعت میں کام آتا ہے۔ شیشم کی لکڑی آرائشی سامان بنانے میں بہت کام آتی ہے پھلدار درختوں سے پھل بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور لکڑی جلانے کے کام آتی ہے۔ مشرقی پاکستان میں بانس کے درختوں میں اضافہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ ان سے کاغذ سازی کی صنعت میں مزید فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۴۔ بیکار زمینوں میں پانی کا انتظام کر کے جنگلات کے ذخیرے قائم کرنے چاہئیں۔

زرعی پیداوار بڑھانے کے طریقے

سیاسی حالات کے ماتحت مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے مہاجرین کی آمد کی وجہ سے مغربی پاکستان میں خصوصاً آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ زرعی پیداوار میں مزید اضافہ کیا جائے۔ یہ دو طرح سے ہو سکتا ہے۔

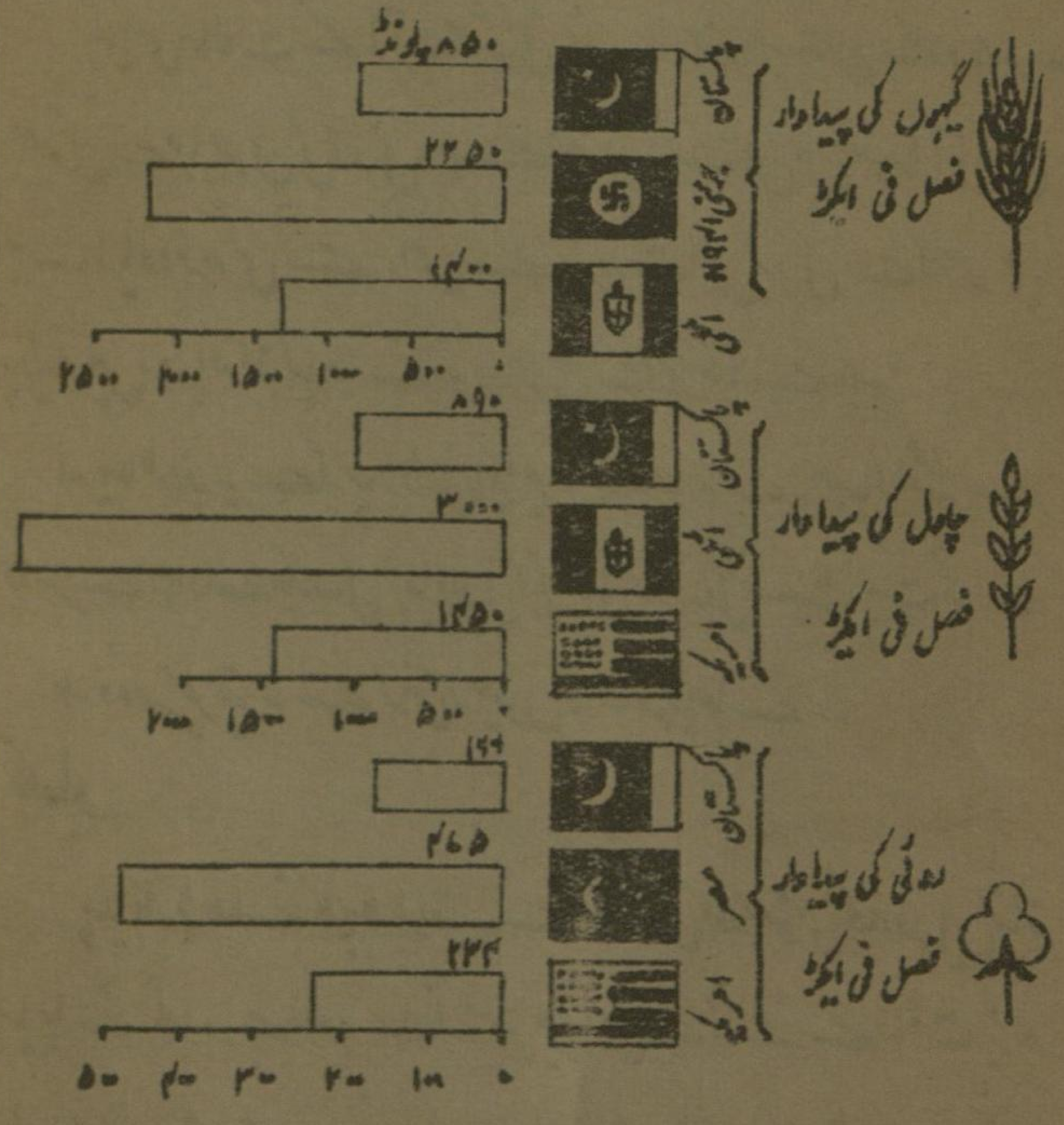
۱۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ پیداوار فی ایکڑ میں اضافہ کیا جائے۔ جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے ہمارے ملک کی پیداوار فی ایکڑ باقی ممالک کی نسبت بہت کم ہے

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نئی زمینوں کا اضافہ کیا جائے۔

کھاد

پیداوار بڑھانے کا پہلا طریقہ یہ ہے۔ کہ قدرتی اور مصنوعی کھادوں میں اضافہ کیا جائے۔ کھاد سے مراد یہ ہے کہ زمین میں اس کے ڈالنے سے طاقت بڑھ جائے۔ اور زمین میں نئے مادے پیدا ہو جائیں۔ تاکہ ہر ایک طرح کے تخم جو زمین میں بوئے جائیں یا درخت لگائے جائیں۔ وہ اچھی طرح نشوونما پائیں کھاد ایسی چیز ہے کہ ناقص زمین کو عمدہ بنا دیتی ہے۔

موازنہ پیداوار فی ایکڑ



کھاد تین قسم کی ہوتی ہے۔ حیوانی، نباتی اور جمادی۔ ان تینوں قسموں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ قدرتی اور مصنوعی۔

حیوانی کھاد وہ ہے۔ جو حیوان کے جسمی اجزا یا بول براز سے ہو۔ یہ قدرتی کھاد ہمارے ہاں کافی مقدار میں موجود ہے۔ مگر ہم گوبر کو بطور ایندھن استعمال کرتے ہیں۔ اگر گوبر کو بطور کھاد ہی استعمال کیا جائے۔ تو پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے۔

نباتی کھاد وہ ہے۔ جو قدرتی یا مصنوعی طور پر نباتات سے حاصل ہو۔ سبز پھلی دار فصل مثلاً سن اور گوارا زمین میں دبا کر کھاد تیار ہو سکتی ہے۔

جمادی کھاد ایک قسم کی مٹی کو دوسری قسم کی مٹی میں ملانا مراد ہے۔ اور چونا اور نمک وغیرہ اس کھاد کی قسموں میں ہیں۔

جنگ سے پہلے بڑے بڑے زمیندار امونیم سلفیٹ، سوڈیم نائٹریٹ وغیرہ مصنوعی کھادیں استعمال کرتے تھے۔ مصنوعی کھادیں خریدنے کے لئے کافی روپیہ درکار ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں قدرتی کھاد بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ شہروں اور قصبوں کے کوڑا کرکٹ سے تیار کردہ مصنوعی کھاد مویشیوں کی کھاد سے طاقت میں بہتر ہوتی ہے۔

پیداوار بڑھانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نئی زمینوں کا اضافہ کیا جائے۔ ہمارے پاس مغربی پاکستان میں وسیع قطعات ایسے موجود ہیں۔ جن کو آبپاشی

کا انتظام کر کے زیر کاشت لایا جا سکتا ہے۔ کوئٹہ اور قلات کی قسمتوں میں زمین خالی پڑی ہے۔ جو کسی حد تک سخت ہے۔ اگر ہل چلانے کی بجائے ٹریکٹروں سے کام لیا جائے۔ تو وہاں فصلیں تیار ہو سکتی ہیں۔ بعض علاقوں میں زمین قابل پیداوار ہے۔ مگر فیلاں پانی کا انتظام نہیں پانی کا انتظام کر نیسے وہاں باغات لگائے جا سکتے ہیں

نئی زمینوں کا اضافہ کرنے کے لئے آبپاشی کا انتظام سب سے ضروری ہے

آبپاشی

کوئی مصنوعی طریقہ جس سے خشک علاقوں میں پانی دیا جائے۔ آبپاشی کہلاتا ہے۔ آبپاشی کے مندرجہ ذیل ذرائع ہو سکتے ہیں:

۱۔ کوئیں (۲) نہریں (۳) تالاب (۴) کاریز (۵) ٹیوب ویل

کوئیں آسانی سے کھودے جا سکتے ہیں۔ اور غریب کسان بھی کنواں لگوا سکتا ہے۔ نہروں پہ کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں کاریز کا طریقہ کوئٹہ کے علاقہ میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں پہاڑوں پر میدانوں کی نسبت زیادہ بارش ہوتی ہے جب دریا پہاڑوں سے میدانوں میں آتے ہیں۔ تو تمام پانی زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ اس پر قابو پانے کے لئے پانی کو طویل زمین دوز نلوں کے ذریعے پہاڑ کے دامن تک لایا جاتا ہے۔ اور یہ آبپاشی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ان زمین دوز نہروں کو کاریز کہتے ہیں۔

زراعت کا انحصار بارش پہ ہے۔ مشرقی پاکستان میں مون سون ہواؤں

کی وجہ سے خوب بارش ہوتی ہے۔ دریاؤں کے علاوہ چشموں اور تالابوں سے آبپاشی کے لئے کافی پانی دستیاب ہوتا ہے۔ البتہ مغربی پاکستان میں عام طور پر کم بارش ہوتی ہے۔ البتہ بعض حصوں میں نہروں کا جال بچھا ہے۔ نئی زمینوں کو آباد کرنے اور زمین کی زرخیزی سے فائدہ اٹھانے کے لئے آبپاشی کا کوئی مصنوعی طریقہ استعمال کرنا ضروری ہے۔ اب ہم نئی زمینیں آباد کرنے کی دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ پہلی سکیم سکھر بند مکمل ہو چکی ہے۔ دوسری سکیم تھل پراجیکٹ زیر تکمیل ہے۔

سکھر بند

سکھر بند کی تعمیر سے پہلے حیدرآباد اور خیرپور کا علاقہ آبپاشی کے ذرائع کے فقدان کی وجہ سے زراعت میں بہت ہی پسماندہ علاقہ تھا۔ اور اس سلسلہ میں مختلف تدابیر پر عمل درآمد کرنے کے باوجود کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی تھی۔ کیونکہ تند و تیز رو سندھ ہمیشہ اپنی راہیں بدلنے کا عادی ہے۔ لیکن بند کی تعمیر نے تمام علاقہ میں زبردست زرعی اور معاشی تبدیلیاں کر دیں۔ دنیا کے اس عظیم ترین اور اہم ترین بند کی قدر و قیمت صرف وہی لوگ جانتے ہیں، جنہوں نے علاقہ سندھ میں ایک طویل ریگ زار دیکھا تھا۔ اور پھر اس بند کی بدولت وہی ریگ زار سرسبز و شاداب گلزار بن گیا۔ یہ آب دیکھا صحرا کے سینے پر متعدد نہروں کا جال بچھ گیا۔ جہاں محض ریت ہی ریت تھی۔ وہاں گیہوں، جوار، باجرے کی ہری ہری کھیتیاں

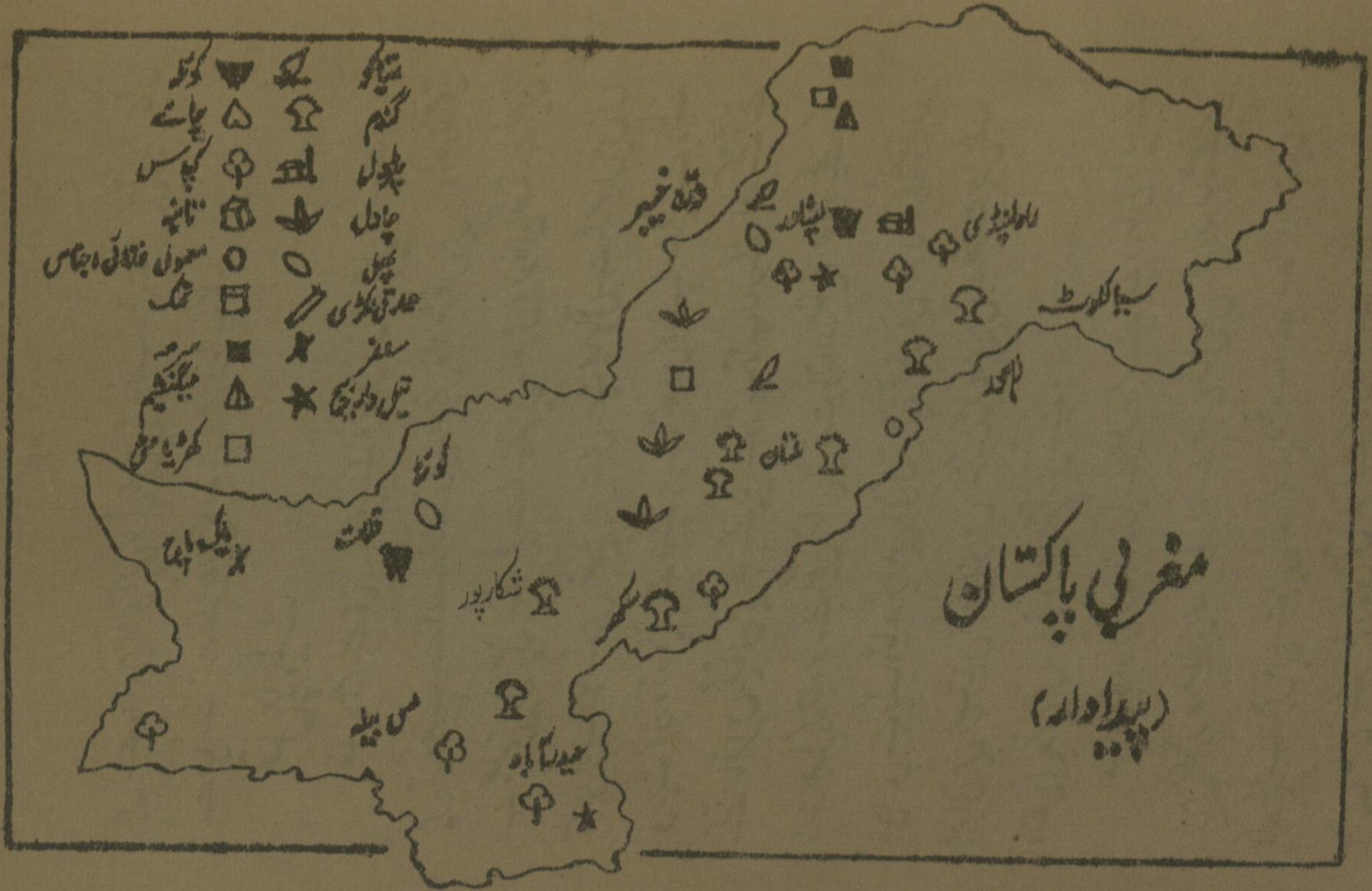
لہلہانے لگیں۔ کپاس کی لاکھوں گانٹھیں تیار ہوئیں۔ اور دھان کی فصلیں اٹھائی جانے لگیں۔ یہ اسی بند کا معجزہ تھا۔ کہ تباہی و بربادی کا پیغامبر دریا تعمیر و شادابی کا امین بن گیا۔

اس بند کی تعمیر جولائی ۱۹۲۳ء میں شروع ہوئی۔ بہت سے ماہر انجنیر ساڑھے آٹھ برس تک اس پر کام کرتے رہے۔ اور بالآخر جنوری ۱۹۳۲ء میں یہ بند مکمل ہو گیا۔

سکیم یہ ہے۔ کہ سکھر کے قریب دریائے سندھ پر بند باندھ کر سات نہریں نکالی گئی ہیں۔ چار نہریں بائیں طرف اور تین دائیں طرف۔ بائیں طرف والی نہروں کے نام مشرقی نارا، نہر رو ہڑی، نہر مغربی خیرپور اور نہر مشرقی خیرپور ہیں۔ دائیں کنارے سے شمال مغربی نہر، چاولوں والی نہر اور نہر دادو نکالی گئی ہیں۔

یہ نہریں سات ہزار میل لمبی ہیں۔ صرف نہر رو ہڑی میں اتنا پانی ہوتا ہے۔ جتنا لندن کے دریائے ٹیمز میں طغیانی کے دنوں میں ایک سکنڈ میں ۲۸۵۱ گیلن پانی نہروں میں داخل ہوتا ہے۔ ان نہروں سے باون لاکھ ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا ہے۔

سکھر بند دنیا میں سب سے لمبا پل ہے۔ سکھر بند کی طرح کوٹڑی بند زیر تعمیر ہے۔ اس سے سندھ کی مزید ۲۸ لاکھ ایکڑ اراضی زیر کاشت ہو سکے گی۔ اس



مغربی پاکستان
(پیداوار)
تمباکو
گندم
چاول
پھل
عمارتی لکڑی
کوئلہ
چائے
کپاس
تانبہ
نمک
میگنیشیم
کھریا مٹی
درہ خیبر
پشاور
راولپنڈی
سیالکوٹ
لاہور
ملتان
کوئٹہ
قلات
شکارپور
سکھر
حیدرآباد

میں سے ۱۱ لاکھ ایکڑ اراضی ایسی ہوگی جس میں آج تک کاشت نہیں کی گئی۔ ان بندوں سے دریائے سندھ کے سیلابوں کا سدباب بھی ہو جائے گا۔

تھل پراجیکٹ

تھل کا نام سنتے ہی ذہن کے افق پر لق و دق صحرا پھیل جاتا ہے جس میں تیز دھوپ سے ذرے تمتماتے ہیں۔ نظر خس خانۂ مژگاں میں پناہ ڈھونڈھتی ہے۔ جھلستی ہوئی لو چلتی ہے۔ بگولے ناچتے ہیں۔ آندھی کا طوفان اٹھتا ہے زمین و آسمان ایک ہو جاتے ہیں۔ خلا میں ریت ہی ریت چھا جاتی ہے۔ گرمیوں میں اس کی ریت کا ذرہ ذرہ جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں کا روپ دھار لیتا ہے نہ جانے کتنے مسافر اس ریگستان میں بھوک پیاسے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ اور کتنے قافلے رستہ بھول کر تباہ ہو گئے۔ لیکن انسان کی قوت بازو اور عقل کا اعجاز دیکھئے۔ کہ آج اسی بے برگ و گیاہ ریگزار میں پانی کی نہریں رقصاں ہیں۔ ہری ہری کھیتیاں لہلہاتی ہیں، بستیاں آباد ہو رہی ہیں۔ سڑکیں پھیل رہی ہیں، اور فطرت جو کل تک انسان کی دشمن تھی۔ آج خادمہ بنی نظر آرہی ہے۔

تھل کا ریتلا اور اجاڑ علاقہ دریائے جہلم اور سندھ کے درمیان واقع ہے اس میں مظفر گڑھ، میانوالی اور سرگودھا کے اضلاع شامل ہیں۔ کل رقبہ ساڑھے پچیس لاکھ ایکڑ ہے۔ جس میں سے بیس لاکھ ایکڑ زیر کاشت آنے کے امکانات ہیں۔ چالیس سال سے کوشش ہو رہی تھی۔ کہ اسے آباد کیا جائے۔ کئی اسکیمیں بنیں اور

نامنظور ہوئیں۔ آخر سنہ ۱۹۳۹ء میں کام شروع ہوا۔ مگر جنگ کی وجہ سے پھر ملتوی ہو گیا دریائے سندھ پر کالا باغ کے قریب داؤد خیل کے مقام پر بند باندھا گیا ہے۔ جہاں دریا پہاڑیوں سے نکل کر میدانی علاقہ میں داخل ہوتا ہے۔ ہیڈ ورکس کے بعد نہروں کی کھدائی کا کام بھی بہت سست رفتاری سے ہو رہا تھا۔ تقسیم پنجاب سے پہلے اندازہ لگایا گیا تھا کہ تھل پراجیکٹ کی تکمیل دس سال میں ہو گی۔ لیکن تقسیم کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ سامنے آیا۔ تو صوبے کی دولت کے ذرائع کو کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ حد تک بڑھانے کی فوری ضرورت محسوس ہوئی۔ قدرتاً اس پراجیکٹ کو سب سے پہلا نمبر دیا گیا۔ چونکہ اس علاقہ میں ریلیں ہیں۔ نہ سڑکیں۔ اس لئے باربرداری کے سلسلہ میں اونٹوں اور چار ہزار گدھوں سے کام لیا جا رہا ہے۔

اس ریگستان میں نہریں نکالنا کوئی آسان کام نہیں، یہ دوزخ دریا نوشش ہے۔ لہٰذا نہر کے اندر سمنٹ کی تہ جمائے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس لئے ریت اور سمنٹ کی سلیں استعمال کی جارہی ہیں۔

تھل کے علاقہ میں موسم گرما کی آندھیاں نہروں کو بہت نقصان پہنچا سکتی ہیں یہ آندھیاں اپنے ساتھ اتنی ریت اڑا کر لاتی ہیں۔ جو نہروں کو بند کر سکتی ہیں۔ محکمہ جنگلات اس مشکل پر عبور حاصل کرتا جا رہا ہے۔ ریت کو روکنے کے لئے نہروں کے کنارے کنارے درختوں کی پانچ پانچ قطاریں لگائی جارہی ہیں۔ پہلی قطار سرکنڈے کی، اس کے بعد دو دو قطاریں ارنڈ کی۔ اور ان کے بعد دو دو قطاریں

جنتر کے درختوں کی لگائی جارہی ہیں۔ کاشتکار بھی اپنے اپنے فارم میں درخت لگا رہے ہیں۔ علاوہ ازیں سارے علاقے کے ارد گرد درختوں کے ذخیرے بھی لگائے جارہے ہیں، اس طرح نہ صرف ملک کی چوبی دولت میں معتدبہ اضافہ ہو جائے گا۔ بلکہ علاقہ کی آب و ہوا پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا۔ جنگلات کے پوری طرح نشوونما پا جانے پر بارش کی مقدار میں بڑھ جائے گی۔

تھل پراجیکٹ پر بیرہ کروڑ روپیہ خرچ آئے گا۔ گیہوں اور چاول کی اہم فصلیں تیار ہو سکیں گی جس ریگستان میں انسان قدم دھرنے سے بھی گریز کرتا تھا۔ وہاں آج سینکڑوں بستیاں آباد ہیں جو نئی طرز پر بنائی گئی ہیں۔ ہر گاؤں یا چک کے وسط میں چوک ہے۔ چوک کے ارد گرد ہسپتال، ڈاک خانہ، مسجد اور دکانیں ہیں۔ ہر گاؤں سے باہر صنعتی مرکزوں اور سکولوں کے لیے جگہ چھوڑی گئی ہے شاملات دیہہ میں کھیلوں کے میدان اور چراگاہیں وغیرہ بنائی گئی ہیں،

تھل کے علاقہ میں اجتماعی کاشت کے طریقے کو عمل میں لایا جائے گا۔ جس سے بڑی حد تک کاشتکاروں اور حکومت کے درمیان سودا کرنے والوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور کاشتکار پیداوار کا حصہ نسبتاً زیادہ حاصل کر سکیں گے۔ نیز مشینی زراعت کے جدید طریقوں کو رائج کرنے میں سہولت ہو گی۔ انشاء اللہ عنقریب یہ علاقہ سرسبز اور زرخیز کھیتوں میں تبدیل ہو کر بہشت کا نمونہ بن جائیگا۔

دیہات سدھار کیلئے ہدایات

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اس لئے اس کی اکثریت دیہات میں آباد ہے. جب تک اہل دیہات کی اصلاح نہ ہو، ہمارا ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ دیہات کی اصلاح کے لئے دیہات سدھار تحریک کی حسب ذیل ہدایات پر عمل کرنا چاہیئے۔

۱ - گاؤں والوں کو چاہیئے کہ گاؤں کے باہر چھ فٹ گہرے گڑھے کھود یں اور گاؤں کا گوبر۔ کوڑا کرکٹ وغیرہ ان میں ڈال کر بند کردیں. تاکہ عمدہ قسم کی کھاد تیار ہو جائے، اور ان کی فصلیں اچھی ہوں، اور گندگی کے ان ڈھیروں سے جو بیماریاں پھیلتی ہیں۔ ان سے گاؤں محفوظ رہے۔

۲ - اپنے بدن اور کپڑے صاف ستھرے رکھیں۔

۳ - تعلیم لڑکے اور لڑکیوں دونوں کو دی جائے. تاکہ مرد زیادہ سمجھدار بن جائیں اور عورتیں خانہ داری سے واقف ہو کر مردوں کی کمائی کو بہتر طور پر صرف کریں۔ اور اچھے شہریوں کی پرورش کر سکیں۔

۴ - گاؤں والوں کو فضول خرچی اور برے رسم ورواج کو چھوڑ دینا چاہیئے. قرض نہیں لینا چاہیئے. نشہ اور افیون کی عادتیں ڈال کر روپے اور صحت کا نقصان نہیں کرنا چاہیئے۔

۵ - صحت کو بہتر بنانے کے لئے ملیریا کے انسداد کی کوشش کی جائے. بچوں

کو چیچک کا ٹیکہ لگوایا جائے۔ وبائی امراض کی صورت میں جن کا انسدادی ٹیکہ موجود ہے۔ ٹیکہ کرایا جائے۔

۶۔ مکانوں کو ہوادار اور روشن بنانے کے لئے ان میں کھڑکیاں اور روشندان لگوائے جائیں۔ مویشی خانے بھی صاف ستھرے ہونے چاہئیں۔

۷۔ گوبر کی کھاد بنانی چاہیئے۔ اُپلے نہیں بنانے چاہئیں۔

۸۔ کھیتوں کے گرد مینڈھ باندھو۔ ندی نالوں پر بند باندھ کر آبپاشی کا انتظام کرو۔

۹۔ فالتو زمین میں درخت لگواؤ۔ تاکہ جلانے کے لئے لکڑی اور مویشی کے لئے چارہ ملے۔

۱۰۔ فصلوں کے لئے بہترین قسم کے بیج استعمال کرو۔

۱۱۔ فصلوں کو برباد کرنے والے کیڑے مکوڑوں خاص کر ٹڈی کو تباہ کرنے میں دیر نہ کرو۔

۱۲۔ لڑائی جھگڑوں سے پرہیز کرو۔ عدالتوں میں روپیہ اور وقت برباد مت کرو اس وقت اور روپے کو اپنا گھر، اپنا گاؤں اور اپنے کھیت بہتر بنانے میں صرف کرو۔

۱۳۔ وقت بڑی دولت ہے۔ اسے ضائع مت کرو۔ اس میں کچھ سیکھو۔ کچھ کرو۔ تاکہ تمہاری اور تمہارے گاؤں کی حالت سدھر جائے۔

۱۴۔ اپنے گاؤں میں انجمن امداد باہمی کے رکن بن جاؤ۔ اور حکومت کے مختلف محکموں کی طرف سے تمہاری حالت بہتر بنانے کی جو کوشش کی جاتی ہے۔ اس میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

۱۵۔ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرو۔

۱۶۔ ہر قسم کے پرانے طریقے جو فائدہ مند نہیں چھوڑ دو۔ اور ایسے نئے طریقے اختیار کرو جن میں سے تمہیں آسودگی اور آسائش حاصل ہو سکتی ہے۔

معدنی دولت

معدنیات قدرتی دولت ہیں۔ تجربہ اس بات کا شاہد ہے۔ کہ ہر ایک ملک کی صنعت و حرفت کا دارومدار معدنی پیداوار پر ہے۔ پاکستان یوں تو معدنی دولت سے مالامال ہے۔ مگر ابھی تک یہ دولت بہت حد تک پوشیدہ ہے۔

کوئلہ

چٹانوں کے نیچے کسی زمانہ میں جنگلات وغیرہ دب گئے تھے۔ زمین کی اندرونی گرمی، دباؤ اور کیمیائی گرمی سے یہ نباتات اب کوئلہ میں تبدیل ہو چکی ہے۔ پاکستان میں کوئلہ کی بہت کمی ہے۔ مغربی پاکستان میں ڈھائی لاکھ کے قریب کوئلہ پیدا ہوتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں بھی کوئلہ دریافت ہوا ہے۔

ہیرا زمین سے نکلتا ہے۔ اور بہت خوبصورت اور بیش قیمت ہوتا ہے کوئلہ بھی زمین سے نکلتا ہے۔ مگر اس کی سیاہ رنگت ضرب المثل بن چکی ہے اور اسے بہت حقیر سمجھا جاتا ہے۔ مگر عہدِ حاضر کے صنعتی نظام کی بنیادیں دو چیزوں پر قائم ہیں۔ لوہے اور کوئلے پر۔ کوئلے کے بغیر لوہا بھی بیکار ہے۔ اس لئے

کوئلے کی قدر و قیمت سب سے زیادہ ہے اس کے بغیر کارخانے چل سکتے ہیں نہ ریلیں اسی اہمیت کے پیشِ نظر کوئلے کو بجا طور پر کالے رنگ کے ہیرے کا خطاب دیا گیا ہے تقسیم ملک کے بعد پاکستان کو سب سے زیادہ کوئلہ کے نہ ہونے کی وجہ سے دِقت پیش آئی۔

کوئلہ کوہستانِ نمک۔ اور راولپنڈی کی پہاڑیوں میں پایا جاتا ہے۔ ڈنڈوت کی پہاڑیوں میں کوئلہ کی دو فٹ موٹی دھاری ملی ہے۔ وہاں سے پچاس لاکھ ٹن کوئلہ دستیاب ہو سکتا ہے۔

کوئٹہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر بہت سی چھوٹی چھوٹی منتشر کانیں ہیں۔ پاکستان کو ہر سال بیس لاکھ ٹن کوئلہ کی ضرورت ہے۔ مگر اس کی پیداوار صرف چھ لاکھ ٹن ہے۔ کمیت کے لحاظ سے بھی پاکستان کا کوئلہ چنداں قابلِ فخر نہیں۔ زیادہ تر "گیہری" اور "چورے" پر مشتمل ہے۔ کوئٹہ میں کارخانہ قائم کیا گیا ہے۔ جو "چورے" کو ڈلوں میں تبدیل کرتا ہے۔

اگرچہ پٹرول اور بالخصوص برق آبی نے کوئلہ کی اہمیت کو نسبتاً کم کر دیا ہے مگر ابھی تک ان طریقوں کا رواج عام نہیں ہے۔ اس لئے کوئلہ کو اب بھی اپنی جگہ خاصی اہمیت حاصل ہے۔

تیل یا پٹرول

آجکل کون ہے جس پر مٹی کے تیل (یا پٹرول) کی اہمیت آشکارا نہیں۔ جس

طرح انسانی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے خوراک ایک لازمہ ہے۔ اسی طرح فی زمانہ قوموں کی نشو ونما اور ان کی بقا کے لئے تیل اشد ضروری ہے۔ مانا کہ ایٹم کی طاقت تیل کی قوت سے بہت زیادہ ہے۔ مگر اس کو پیدا کرنے کیلئے جس سازو سامان اور جتنی دولت کی ضرورت ہے۔ وہ ہر قوم کو نصیب نہیں۔ تیل اس کے مقابلے میں بہت ارزاں ہے۔ اور قریباً دنیا کے ہر حصہ میں پایا جاتا ہے۔ تیل کے چشمے اگر امریکہ جیسے متمول اور ترقی یافتہ ملک میں موجود ہیں۔ تو مشرقِ وسطیٰ کے غریب اور پس ماندہ ممالک بھی اس دولت سے مالا مال ہیں۔ غرضیکہ کاروباری دنیا کے بیشتر شعبوں پر تیل کی حکمرانی آج مسلّم ہے۔ اور ذہن انسانی کی رسائی ابھی کسی ایسی چیز تک نہیں ہوئی جو آسانی سے اس کا نعم البدل ثابت ہو سکے۔ زمین پر کارخانوں کی ہماہمی اس کی بدولت ہے۔ تیل ہی تو ہے۔ جس کی وجہ سے ہوائی جہاز سینکڑوں من وزن اٹھائے فضائے آسمانی میں ہزاروں میل کا سفر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تیل سے چلنے والی موٹر کاروں اور لاریوں کا تانتا بندھا تو آپ ہر وقت سڑکوں پر دیکھتے ہیں۔ جنگ اور امن دونوں حالتوں میں اس کا استعمال ضروری ہی نہیں۔ بلکہ ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر ہم موجودہ دنیا، اس کا نظام اور اس کی ہماہمی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تاریخ عالم میں معدنیات میں سے کسی نے اتنے تھوڑے عرصہ میں اتنی اہمیت حاصل نہیں کی جتنی کہ تیل نے گزشتہ نصف صدی میں کی ہے۔ تاریخ عالم کے ادوار کو مختلف ناموں سے معنون کیا جاتا ہے۔ مثلاً پتھر کا زمانہ، لوہے

کا زمانہ، فولاد کا زمانہ۔ اگر ہم بیسویں صدی کو تیل کا زمانہ کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اپنی اہمیت کے باعث ہی آج تیل بین الاقوامی سیاست میں سب سے بڑا ثابت ہو رہا ہے ہر ملک اس کوشش میں ہے۔ کہ دنیا میں تیل کی پیداوار کا زیادہ سے زیادہ حصہ اس کے قبضہ میں آ جائے۔

تیل کار آمد اور فائدہ مند تو ضرور ہے۔ مگر اس کو حاصل کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے تین مراحل درپیش ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے جس زمین سے تیل نکالنے کے امکانات دکھائی دیتے ہیں، وہاں ماہرین طبقات الارض کا ایک گروہ وارد ہوتا ہے۔ یہ چند ایک ماہرین طبیعات کی مدد سے تمام علاقہ کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں۔ اور جانچتے ہیں۔ کہ تیل اگر موجود ہے۔ تو کتنی مقدار میں ہوگا۔ اور اس کا نکالنا فائدہ مند ثابت ہو سکے گا۔ یا نہیں۔ اس کے ساتھ یہ لوگ اس بات کا بھی اندازہ کرتے ہیں کہ تیل کتنی گہرائی پر مل سکے گا۔ مشرق وسطیٰ میں تیل کے چشموں کی گہرائی تین ہزار فٹ سے لے کر چھ ہزار فٹ تک ہے۔

تیل نکالنے کے دوسرے مرحلے میں انتہائی کاوش اور عرق ریزی درکار ہوتی ہے۔ اس میں انجنیروں کا ایک گروہ اس زمین کو برماتا ہے۔ جب نالی تیل کی سطح تک پہنچتی ہے۔ تو اس سے تیل کے ساتھ مختلف گیسوں کے انبار نکلتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ چیز بے حد باعث خطر سمجھی جاتی تھی۔ اور اکثر اوقات ماہرین کو جانی اور مالی نقصان بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ مگر موجودہ سائنٹیفک آلات کی مدد

سے اس مشکل پر بھی قابو پالیا گیا ہے۔

تیسرے مرحلہ میں ٹھیکہ دار کمپنی پیش رفتہ لوازم سے فارغ ہو کر تیل نکالنے کا کام باقاعدگی سے شروع کرتی ہے۔ تیل نکالنے سے پیشتر سینکڑوں قسم کی دیو صورت مشینری کو تیل کے کنوؤں کے نزدیک جمع کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہزاروں کی تعداد میں مزدور اور کاریگر ملازم رکھے جاتے ہیں۔

پہلے پہل ۱۸۵۹ء میں امریکہ کے ایک پنشن یافتہ ریلوے افسر نے پنسلوینیا میں تیل نکالنے کے لئے کنواں کھودنا شروع کیا تھا۔ یہیں سے موجودہ زمانے کے اس زبردست کاروبار کا آغاز ہوا۔ اور اس وقت ریاستہائے متحدہ امریکہ میں پٹرول کی پیداوار دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد سوویٹ یونین (روس) میکسیکو۔ رومانیہ۔ ایران۔ عراق۔ بحرین۔ سعودی عرب، اور انڈونیشیا میں سب سے زیادہ مقدار میں تیل نکالا جاتا ہے۔

پاکستان میں تیل کی تلاش ۱۸۸۵ء میں شروع ہوئی، کوئٹہ کے جنوب مشرق میں کھاٹن کے مقام پر بہت سے کنوئیں کھودے گئے۔ مگر صرف بیس ہزار پیپے تیل نکلا اور مالی لحاظ سے یہ مہم نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اس کے بعد اٹک میں تیل نکالنے کا کام شروع ہوا۔ مگر جنگ کی وجہ سے یہ کام رک گیا جنگ کے بعد برما آئل کمپنی نے جس کی بنیاد ۱۹۳۸ء میں پڑی۔ سرگرمی سے تیل نکالنا شروع کیا۔ اس کے علاوہ پاکستان میں اٹک آئل کمپنی کو مراعات حاصل ہیں۔ اس وقت

ضلع اٹک میں کھار۔ ڈھولیاں۔ میال۔ ضلع جہلم میں جویا میر۔ بالکسر اور لاڑکانہ میں تیل نکالنے کا کام ہو رہا ہے۔ اور سالانہ پیداوار ۱/۲ ۴ کروڑ گیلن ہے۔ جو ہماری ضروریات کے لئے ناکافی ہے۔

نمک

نمک تین ذریعوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ (۱) سمندر کے پانی سے۔ (۲) جھیلوں سے (۳) نمک کی چٹانوں سے۔

پتھر کا نمک کوہستان نمک سے نکالا جاتا ہے۔ پتھر کی ڈھائی ہزار فٹ اونچی چٹان جہلم سے ڈیڑھ سو میل لمبی موجود ہے۔ سب سے زیادہ نمک کھیوڑہ کے مقام سے نکالا جاتا ہے۔ جہاں سے کئی سو سالوں سے نمک نکالا جا رہا ہے۔ ۱۸۷۲ء میں باقاعدہ کان کنی کا کام شروع ہوا۔ کوہاٹ اور کالا باغ میں بھی نمک کی کانیں ہیں۔

کراچی سے مغرب کی طرف آٹھ میل کے فاصلہ پر موری پور میں نمک تیار ہوتا ہے۔ اور مشرقی پاکستان عدن اور بحیرہ روم میں بھیجا جاتا ہے۔ کراچی کی آب و ہوا نمک تیار کرنے کے لئے بہترین مانی گئی ہے۔ ضلع تھرپارکر میں نمک کی چھ چھ فٹ تہیں پائی جاتی ہیں۔

مکران کے ساحل پر نمک بنانے کی صنعت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ نمک کے موجودہ ذخیرے پاکستان کی ضروریات دو ہزار برس تک پوری کر سکتے ہیں۔

گندھک

گندھک زرد رنگ کی ٹھوس آتش گیر چیز ہے۔ جو دوسری اشیاء میں جلد مل سکتی ہے۔ زیادہ تر اسی سے گندھک کا تیزاب بنتا ہے۔ جو ادویات۔ شکر۔ دھات اور تیل صاف کرنے میں کام آتا ہے۔ گندھک کاغذ۔ ربڑ کی صنعتوں کھاد اور غذائی مصنوعات میں استعمال کی جاتی ہے۔ گندھک کی خاص کان کوئٹہ کے کوہ سلطان میں ہے۔ اندازہ کے مطابق یہاں پچاس ہزار ٹن گندھک موجود ہے ریاست چترال اور مغربی پاکستان کے بعض دیگر علاقوں میں بھی گندھک کے ذخیرے ہیں۔ کل مقدار کا اندازہ دو لاکھ ٹن کیا گیا ہے۔

کھریا مٹی

جس کیلسیم میں پانی کا جزو ہو۔ اسے کھریا مٹی (جپسم) کہتے ہیں۔ اسے گندھک کا تیزاب، چکنا کاغذ اور دیگر بے شمار صنعتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کھریا مٹی بطور کھاد بھی استعمال ہوتی ہے۔ پوری دنیا میں یہ ایک کروڑ ٹن سالانہ نکالی جاتی ہے۔ پاکستان میں کھریا مٹی مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہے اور قریباً اٹھائیس ہزار ٹن سالانہ نکالی جاتی ہے۔

کرومائیٹ

کرومائٹ ایک معدنی شے ہے۔ جس سے کروم یا کرومیم دھات نکلتی ہے کروم سفید رنگ کی دھات ہے۔ جس میں نیلاہٹ جھلکتی ہے۔ یہ آسانی

سے نہیں پگھلتی اسے پگھلانے کے لئے بجلی کی بھٹیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ دھات فولاد بنانے کے کام آتی ہے۔ یعنی لوہے کو پگھلا کر اس میں خاص تناسب سے کرُدم ملا دی جاتی ہے۔ عام طور پر ۷۴ فیصدی لوہے میں ۸ فیصدی نکل اور ۱۸ فی صد کرُدم شامل کی جاتی ہے۔ یہ فولاد بہت مضبوط ہوتا ہے۔ اور اسے زنگ نہیں لگتا۔ یہ دھات ایسے اوزار بنانے کے لئے خاص طور پر مفید ہے۔ جو سخت سے سخت چیزوں کو بآسانی کاٹ سکیں۔ پلاسٹک کے سانچے بھی کرُدم ہی سے بنائے جاتے ہیں۔ مگر یہ ایسی دھاتوں میں سے ہے۔ جو دوسری دھاتوں کے ساتھ مل کر کام دے سکتی ہے۔ اس دھات سے توپیں اور بندوقوں کے گولے گولیاں زرہ کی پلیٹیں اور اسپرنگ تیار ہوتے ہیں۔

پاکستان میں کرُدم کی صنعت کو ترقی دینے کی جانب خصوصیت سے توجہ دی جا رہی ہے۔ کرومائیٹ کی کانیں شمال مغربی علاقوں میں ہندو باغ کے علاقے میں پائی جاتی ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے کرومائیٹ کے لحاظ سے پاکستان کا دنیا بھر میں دوسرا نمبر ہے۔ کرومائیٹ نکالنے کا کام ۱۹۱۴ء میں شروع ہوا۔ چونکہ پاکستان میں اس دھات کو صاف کرنے کی سہولتیں نہیں ہیں۔ لہٰذا اس کی تمام پیداوار انگلستان امریکہ، سویڈن وغیرہ کو برآمد کر دی جاتی ہے۔ ۱۹۵۴ء میں اس کی پیداوار ۲۴۴۲۳ ٹن تھی، کرومائیٹ قلات اور وزیرستان کے علاقوں میں بھی دریافت ہوئی ہے۔

شورہ

پاکستان میں شورہ بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔ یہ زیادہ تر مغربی پاکستان کی نمک آلود زمین اور غیر پور میں جھیلوں کے پانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ شورہ ہلکے بسکٹ بنانے، کپڑے دھونے اور صابن بنانے کے علاوہ بارود، کھاد۔ رنگ اور سیشہ بنانے میں کام آتا ہے۔ بھیرہ اور راولکاڑہ میں اس کے صاف کرنے کے کارخانے ہیں، اوسط سالانہ پیداوار تین ہزار ٹن ہے۔

شیشہ بنانے کی ریت

سلیکا ریت، سمنٹ، بھٹیوں کی استرکاری، شیشہ اور مختلف قسم کے رنگ بنانے کے لئے کام آتی ہے۔ یہ ریت جنگ، شاہی، داود۔ جیانوالی، ہمرطہاں۔ ڈھموت، ملتان، جہلم۔ بانیال، اور ہزارہ کے مقامات پر پائی جاتی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں ۱۱۰۰ ٹن دستیاب ہوئی۔ اس کا سب سے پہلا کارخانہ ۱۹۴۲ء میں جہلم میں قائم ہوا۔ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ پاکستان میں اس ریت کی مقدار سوا تین لاکھ ٹن ہے جو کہ ابھی تک ہماری ضروریات کے لئے کافی ہے۔

سُرمہ

سرمہ ایک نیلے اور سفید رنگ، یا پٹری دار طور پر ساخت کی نازک دھات ہے۔ یہ اور دھاتیں صاف کرنے، رانگا ، کی گولیاں اور دھوئیں کے بم بنانے اور مختلف قسم کے مرکبات جو سختی اور جلد جل جانے کی اہلیت پیدا کرنے کی

غرض سے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹائپ کے حروف اور دیا سلائیاں بنانے میں بھی کام آتی ہے۔ تمام دنیا میں سرمہ کی پیداوار قریباً تیس ہزار ٹن ہے۔ پاکستان میں سرمے کے ذخیرے ریاست چترال میں گیارہ ہزار فٹ کی بلندی پر ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ دھات قلات میں بھی موجود ہے۔ سردست اس کی پیداوار پانچ سو ٹن ہے۔

سیمنٹ

مغربی پاکستان اور سلہٹ میں ایسا کنکر پایا جاتا ہے۔ جس سے سیمنٹ بنایا جاتا ہے۔ کراچی سکھر۔ واہ اور سلہٹ میں سیمنٹ کے کارخانے موجود ہیں۔

عمارتی پتھر

مغربی پاکستان میں مختلف قسم کے عمارتی پتھر مثلاً گرینائیٹ۔ چونے کا پتھر۔ مرمر اور سلیٹ وغیرہ ملتے ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں پونے نو لاکھ ٹن چونے کا پتھر دستیاب ہوا۔ ملاگیری کی کان سے سنگ مرمر برآمد ہوتا ہے۔ جو عمدگی کے لحاظ سے جودھپوری مرمر کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہ پتھر مناری تحصیل صوابی ضلع مردان میں دستیاب ہوتا ہے۔

پھٹکڑی

کالا باغ۔ امب۔ ملاگوڑی اور کوہ کیرتھر میں ملتی ہے۔

ابرک۔ گدپور ضلع ہزارہ اور ریاست چترال میں ملتا ہے۔ شیشے کے

بدل کے طور پر استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا اصلی اور اہم استعمال بجلی کا سامان بنانے میں ہے۔ موٹر اور ہوائی جہاز کے بنانے میں بھی کام آتا ہے۔

لوہا

موجودہ زمانے کو لوہے کا زمانہ کہتے ہیں۔ کوئلہ اور لوہا تمدن زندگی کی دو بنیادی ضرورتیں ہیں۔ لوہے کے بغیر کوئی ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ لوہے کا ذکر تو قرآنِ پاک میں بھی موجود ہے۔

دریائے چکوڑ کی وادی میں لوہے کے ذخیرے موجود ہیں۔ بنوں کی جنوب مشرقی پہاڑیوں میں بھی لوہا ملتا ہے۔ کوہ کرتار کے میں بھولے رنگ کا گھٹیا لوہا پایا جاتا ہے۔ کوہ سلیمان میں جو لوہا ملتا ہے۔ اسمیں سیسے کی آمیزش ہے

تانبہ

تانبہ ریاست چترال، شمالی وزیرستان اور کوئٹہ کے قریب ملتا ہے۔ مگر نہایت قلیل مقدار میں۔ یہ برتن، اور بجلی کا سامان بنانے میں استعمال ہوتا ہے

سیسہ

تھوڑی مقدار میں چترال، ہزارہ۔ کوئٹہ، قلات اور لس بیلا میں پایا جاتا ہے

سونا

دریاؤں سے اضلاع اٹک۔ مردان، ہزارہ جہلم اور خیبر ایجنسی میں ریت چھان کر نکالا جاتا ہے۔ کہتے ہیں، پرانے زمانے میں دریائے سندھ کی

وادی سے بھاری مقدار میں سونا برآمد ہوتا تھا۔ مگر آجکل تو دیہاتی ریت سے بشکل تمام سال بھر میں چند تولے سونا نکالتے ہیں، اگر جدید طریقوں سے کوشش کی جائے۔ تو شاید زیادہ کامیابی حاصل ہو سکے۔

سوئی گیس

کوئٹہ کے قریب علاقہ بگٹی میں سوئی کے مقام پر قدرتی گیس کا ایک ذخیرہ دریافت ہوا ہے۔ جو قیام پاکستان کے بعد صنعتی ترقی کے میدان میں سب سے اہم انکشاف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس گیس کو پائپوں کے ذریعہ سے کراچی اور دوسرے حصوں میں لے جا کر اس سے کارخانے چلانے کا کام لیا جائے گا۔ اس غرض کے لئے ایک کمپنی قائم ہو چکی ہے۔ جس کا کل سرمایہ ۵ کروڑ روپے ہے۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء سے یہ گیس کراچی کے کارخانوں کو فراہم ہونا شروع ہو گئی ہے۔

تجارت

تجارت کی اہمیت. عظمت اور منفعت رسول اللہ صلعم کے ارشادات سے نمایاں ہے. آپ نے فرمایا "مسلمانوں پر تجارت فرض ہے. اس لئے کہ رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت سے وابستہ ہیں" اس حدیث کی رُو سے ضروری تھا. کہ مسلمانوں میں سے نوّے فیصدی لوگ تجارت کو اپنا ذریعہ معاش بناتے. مگر گزشتہ دور میں ہم نے ہادیٔ برحق صلعم کے اِس ارشاد کو فراموش کر دیا. تجارت اور دستکاری کو ذلیل سمجھنا شروع کر دیا، اور انگریز کے دفتر میں ملازمت حاصل کرنے میں سرگرداں رہے. نتیجہ یہ ہُوا کہ ہم دیگر اقوام کے مقابلہ میں پس ماندہ رہ گئے. گزشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط. آئیے اب ہم تہیہ کریں کہ ہم اپنے ہادیٔ اعظم صلعم کے ارشاد کے مطابق تجارت کو ذریعہ معاش بنانے کی کوشش کریں گے.

جلیل القدر انبیاء نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا. حضرت ابراہیم علیہ السلام بزازی کا کام کرتے تھے. حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام

بھی کپڑے کے بیوپاری تھے۔ حضرت یحییٰ جوتوں کی تجارت کرتے تھے۔ خود رسول اللہ صلعم نے تجارت کی۔ ذی رتبہ صحابہ کرام اور مشاہیر اسلام کا پیشہ تجارت تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ ایام خلافت میں بھی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کامیاب تاجر تھے۔ حضرت عمرؓ اونٹوں کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علی رضؓ حضرت طلحہؓ بھی تجارت کرتے تھے۔ حضرت زبیرؓ کا کاروبار دور تک پھیلا ہوا تھا۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کے متروکہ میں تین کروڑ بارہ لاکھ کے قریب نقدی اور مال تھا۔ حضرت امام بخاری بھی تاجر تھے۔ اور امام ابو حنیفہؒ بھی کپڑے کا بیوپار کرتے تھے۔

ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تجارت ایک معزز پیشہ ہے۔ اور ہمیں آٹا، دال، چاول، کپڑا فروخت کرنے میں بالکل شرم وحیا نہیں محسوس کرنی چاہیئے تھوڑے سرمایہ سے تجارت شروع کرکے لاکھوں روپے کمانے ہیں۔ اور تجارت کے ذریعہ سے دین و دنیا کے خزانوں سے دامن کو بھرنا ہے۔ اور اپنی حالت درست کرکے قومی وملی بنیادیں مضبوط کرنا ہیں۔

اسلام بنی نوع انسان کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ جہاں اسلام نے دینی برکات کے حصول کا طریقہ بتایا ہے، وہاں ہمیں دنیا میں آسائش وعزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ مال ودولت سے فائدہ اٹھانا اور زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا بالکل جائز ہے۔

حصولِ دُنیا بھی دین ہے۔ مال و دولت پیدا کرنا عین اسلام ہے۔ بشرطیکہ جائز طریقے سے حاصل کیا جائے۔ اور اللہ اور اس کے احکام کو دولت پر مقدّم رکھا جائے۔ یہ نہ ہو کہ انسان مال و دولت کے نشہ میں چُور ہو کر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو بھُول جائے۔ دولت کمانے کے ساتھ ساتھ دولت کو خدا کے مقررہ قانون کے مطابق خرچ کرنا بھی سکھایا۔

ہمیں قرآن مجید میں تاکید کی گئی ہے کہ ہم زمین کے مختلف حصّوں میں پھیل جائیں اور اللہ کا فضل یعنی روزی حاصل کریں۔ اہم مذہبی فریضہ یعنی حج کے ایام میں ساتھ ساتھ تجارت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

رسُول اللہ صلعم نے نہ صرف مسلمانوں کو تجارت کی ہدایت فرمائی، بلکہ تجارت کے بنیادی اصُولوں کی تعلیم بھی دی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "سچ بولنے والا، پُورا تولنے والا سوداگر قیامت کے دن صدّیقوں اور شہیدوں میں ہوگا۔" گویا دیانت داری کو تجارت کی شرطِ اوّل قرار دیا۔ پُورا وزن، صحیح پیمانے، اچھّے نمونے، پُورا کام، اپنے فرض کی بجا آوری یہ دیانت دار شخص کی نشانیاں ہیں۔ قرآنِ مجید میں حکم ہے کہ ناقص چیز بیچنے کا اتفاق ہو تو خریدار کو اُس کا نقص بتلا دیا جائے۔ ایک کاروباری آدمی کی ساکھ اور اعتبار بھی اس کی دیانت داری اور ایمانداری پر منحصر ہے۔ تجارت میں کامیابی کا راز ایمانداری اور دیانت میں مضمر ہے۔ ایسا کوئی کاروباری آدمی نہیں جس کو سخت سے سخت آزمائش کے موقعے پیش

نہ آئے ہوں۔ لیکن ان مواقع پر ثابت قدم اور دیانتدار رہنا مشکلات دُور کر دیتا ہے۔ اور نتیجہ کامیابی کی صورت میں نکلتا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ بددیانت آدمی اوّل اوّل فروغ پاتے ہیں۔ مگر یہ فروغ ناپایدار ثابت ہوتا ہے۔ دیانت دار آدمی اخیر میں کامیاب ہوتا ہے

ایک کاروباری آدمی کے لئے خوش خلقی بھی بہت ضروری ہے۔ خوش خلق آدمی کا کاروبار دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا ہے۔

رسولِ خدا صلعم نے مسلمانوں کو مشترکہ سرمایہ سے تجارت کرنے کی بھی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہُوا کہ "اللہ کا ہاتھ ہے۔ ان دو آدمیوں پر جو اشتراکت میں تجارت کریں اور خیانت نہ کریں۔ اور جب وُہ خیانت کے مرتکب ہوں گے تو اللہ کا ہاتھ اُن پر سے اُٹھ جائے گا۔"

فی زمانہ کوئی قوم جان، مال اور عزت کو تا جرانہ قابلیت کے بغیر قائم نہیں رکھ سکتی ہمیں زندگی کی تمام ضروریات کو خود پُورا کر کے اغیار کی محتاجی سے بے نیاز ہوتا ہے۔

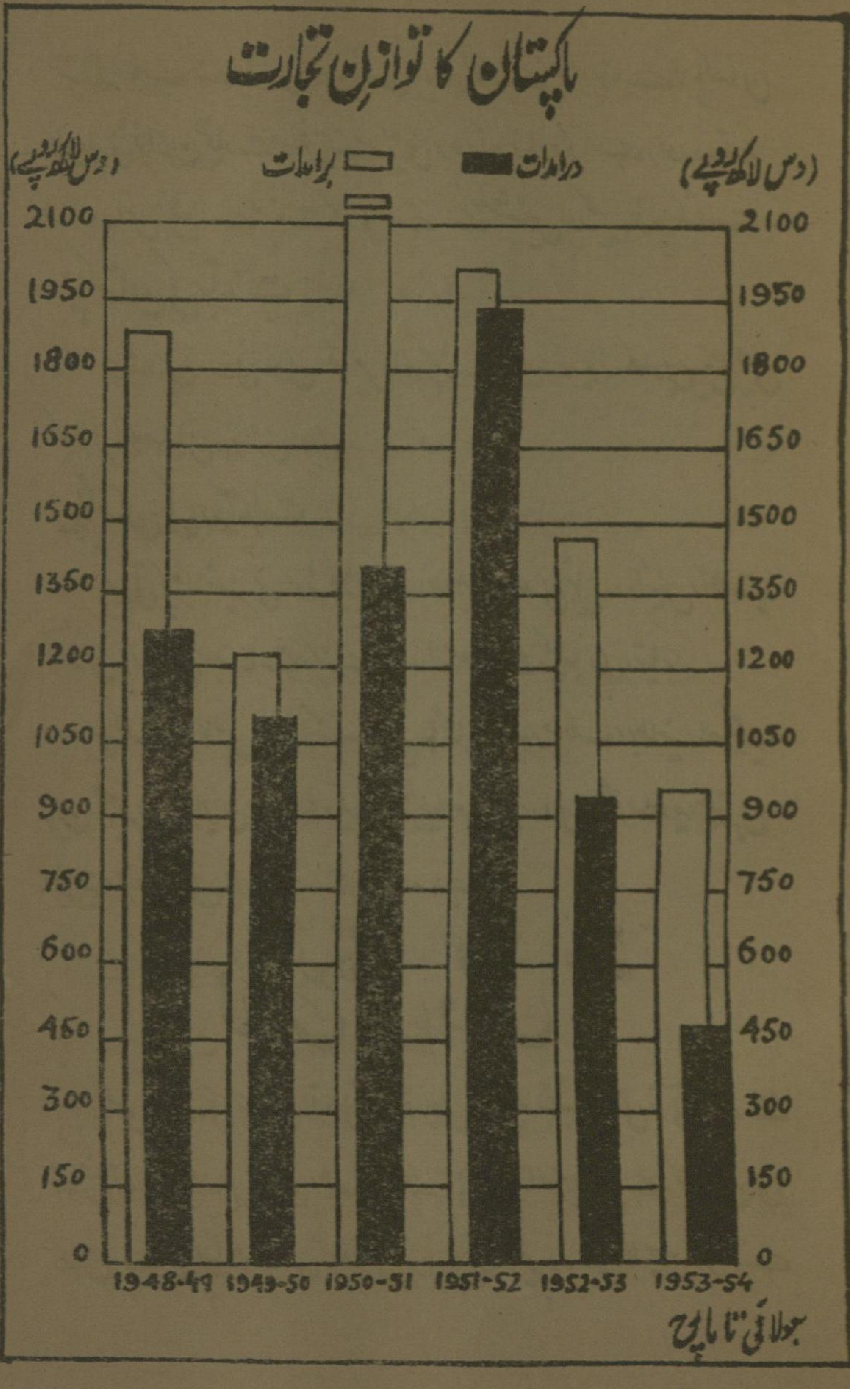
اسلام نے مسلمانوں کو جس تجارت کا ذریعہ بتلایا، اس سے محض ایک جگہ قیام کر کے صرف دُکانداری کرنا ہی مقصود نہیں بلکہ مسلمانوں کو ترغیب دی ہے۔ کہ وہ اپنے وطن سے باہر نکلیں۔ غیر قوموں اور غیر ملکوں میں تجارت کریں، اور بحری تجارت بھی اختیار کریں۔ تاکہ دُنیوی مال و دولت زیادہ سے زیادہ حاصل

کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی دیانتداری اور اخلاق کے ذریعہ غیر مسلموں کے دلوں کو تسخیر کریں۔

تجارت خارجہ و داخلہ

قیام پاکستان سے پیشتر پاکستان کی تجارت کے اجارہ دار غیر مسلم تھے چنانچہ قیام کے بعد تبادلۂ آبادی ہوا۔ تو مغربی پاکستان میں اندرونی تجارت کو زبردست دھکا پہنچا، اور حکومت کو اشیاء تجارت کی نقل و حمل، فراہمی تقسیم اور خرید و فروخت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ اب پاکستان کی اندرونی اور بیرونی تجارت کا بار حکومت پاکستان اور اس کے باشندوں کے کندھوں پر آپڑا ہے آٹھ سال کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے مسلمان اس میدان میں بھی دوسری قوموں سے بازی لے جائیں گے۔

پاکستان میں ایسی بہت سی خام اشیاء پائی جاتی ہیں۔ جن کی دوسرے ممالک میں بہت مانگ ہے۔ مثلاً پٹ سن، کپاس، غلہ، کھال، اون وغیرہ فی الحال ہمارے ملک میں صنعت و حرفت کا بازار گرم نہیں ہوا۔ اس لئے ہمارے اپنے ملک میں ان اشیاء کی صنعتی کھپت نہیں رہی۔ اور ملک کو مالی نقصان سے بچانے کے لئے ان کی برآمد ضروری ہے۔ اور ۱۹۴۷ء سے


پاکستان کا توازن تجارت
(دس لاکھ روپے)
برآمدات
درآمدات
(دس لاکھ روپے)
2100
1950
1800
1650
1500
1350
1200
1050
900
750
600
450
300
150
0
1948-49
1949-50
1950-51
1951-52
1952-53
1953-54
جولائی تا مارچ

۱۹۵۴ء تک کے برآمدی اور درآمدی اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کا بیرونی توازن تجارت موافق ہے یعنی وہ برآمد زیادہ کرتا ہے۔ اور درآمد کم۔ اور اس نفع سے صنعت کاری کے لئے مشینیں اور کلیں خرید سکتا ہے۔

پاکستان کی برآمدات

پٹ سن۔ روئی۔ اون۔ کھالیں اور چمڑے، چائے۔ بنولہ۔ کھادیں۔ بیج۔ مچھلی کھیلوں کا سامان۔ ڈاکٹری اوزار۔

پاکستان کی درآمدات

سوتی کپڑا۔ مشینری۔ موٹر گاڑیاں۔ دھاتیں۔ معدنی تیل۔ دوائیاں، آلاتِ سائنس۔ ربڑ کی مصنوعات، چمڑا رنگنے کے مصالحے۔ کیمیاوی اشیاء

پاکستان کا لین دین دنیا کے قریباً تمام مشہور ممالک، برطانیہ، امریکہ، چین، بلجیم، اٹلی، ایران، چیکوسلاویکیہ، آسٹریلیا، جاپان، روس، یوگوسلاویہ، جنوبی افریقہ، ہندوستان اور افغانستان سے ہے۔

ذرائع نقل و حمل

کسی ملک کی تہذیبی، تمدنی، اقتصادی غرضیکہ ہر قسم کی ترقی کے لئے ذرائع آمد و رفت میں تیزی، عمدگی اور ارزانی کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ان ہی ذرائع سے سیر و سیاحت میں آسانیاں ہوتی ہیں۔ تعلیم و تدریس کا چرچا ہوتا ہے

مدرسے اور کالج کھلتے ہیں۔ صنعت و حرفت کے ہنگامے ہوتے ہیں۔ گھریلو دستکاریوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ صنعتوں کو خام مال میسر آتا ہے۔ تجارت میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ شہروں اور قصبوں کی آرائش ہوتی ہے عمدہ عمارات کی تعمیر ہوتی ہے۔ عام ضروریات زندگی میسر آتی ہیں۔ اخبار اور کتابیں شائع ہوتی اور پڑھی جاتی ہیں۔ زرعی پیداوار ملک کے مختلف حصوں کے علاوہ غیر ممالک کو بھی بھیجی جاتی ہیں۔ لوگوں کو ملازمت کی صورت میں معاش حاصل ہوتا ہے۔ حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ملکی و فوجی نظم و نسق میں عمدگی اور پختگی پیدا ہوتی ہے۔ ملک کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام ہوتا ہے۔

ذرائع نقل و حمل یعنی لوگوں اور سامان کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے تین طریقے ہیں۔ (۱) بری (۲) بحری (۳) ہوائی۔ بری آمد و رفت دو طریقوں سے ہوتی ہے۔ (ا) بذریعہ ریل گاڑی۔ (ب) بذریعہ سڑک۔

ریلیں

پاکستان میں ریلوں کے دو علیحدہ علیحدہ نظام ہیں۔ ایک مغربی پاکستان میں "نارتھ ویسٹرن ریلوے" اور دوسرا مشرقی پاکستان میں "مشرقی بنگال ریلوے"۔

مغربی پاکستان میں ریلوے کی مجموعی لمبائی ۵۳۶۲،۰۹ میل ہے۔ اور مشرقی پاکستان میں ۱۶۸۲،۱۳ میل

نارتھ ویسٹرن ریلوے کے ماتحت مغلپورہ میں ایک بہت بڑا کارخانہ ہے

جس میں ۱۵ ہزار آدمی ملازم ہیں۔ مشرقی بنگال میں سعید پور میں ریلوں کا کارخانہ ہے جس میں چار ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ حکومت نے نچلے درجوں کے مسافروں کو سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے بائیس لاکھ روپیہ کی رقم منظور کی ہے۔

سڑکیں

یوں تو سڑکیں پرانے زمانے میں بھی بنتی تھیں۔ چنانچہ شیر شاہ سوری نے کلکتہ سے پشاور تک سڑکِ اعظم بنوائی۔ جس کا کچھ حصہ پاکستان میں بھی موجود ہے مگر آجکل کے زمانہ میں سڑکوں کی تعمیر جدید سائنس کے مطابق ہوتی ہے۔ سڑکوں کی مضبوطی اور ان کی سائنٹفک ساخت پر زور دیا جاتا ہے۔ چونکہ سڑکیں مختلف خطہ ہائے زمین سے گذرتی ہیں۔ اور آجکل لوگوں اور سامانِ تجارت کی آمد و رفت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ لہٰذا ان کی تعمیر میں بہت سے امور کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً زمین پتھریلی ہے۔ یا نرم، پہاڑی ہے یا میدانی، کون کونسی خصوصیات وہاں کی سطح میں پائی جاتی ہیں۔ اور ان سے سڑکوں کی مضبوطی میں کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ اس فن کی تکمیل کے لئے مختلف ملکوں میں طرح طرح کے تجربات اور تحقیقات بہت تیزی سے ہو رہی ہے۔ سڑکوں اور شاہراہوں کا ایک بین الاقوامی وفاق بھی عمل میں آچکا ہے۔ اس وفاق کا بڑا مقصد یہ ہے۔ کہ مختلف ملکوں اور قوموں کی اعانت سے ایسی شاہراہیں بنائی جائیں۔ جو دنیا کے تمام مسافروں کے لئے قابلِ استعمال ہو سکیں۔

پاکستان میں تربیت یافتہ کارکنوں، ضروری سامان اور مٹیریہ کی کمی کے باوجود نئی سڑکوں کی تعمیر کے معاملے کو برقرار رکھا گیا ہے۔ سڑکوں کے نظام کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں پہلا قدم ۱۹۴۹ء میں اٹھایا گیا۔ اور سنٹرل روڈ فنڈ کی بنیاد رکھی گئی۔ مغربی پاکستان میں ٹرانسپورٹ کو قومی ملکیت بنانے کا کام سرعت سے ہو رہا ہے۔

پاکستان میں سڑکوں کی موجودہ کیفیت

	پختہ سڑکیں	کچی سڑکیں	میزان میلوں میں
مشرقی پاکستان	۷۵۷	۲۵۱۳۸	۲۵۸۹۵
مغربی پاکستان	۸۱۸۰	۲۴۵۱۹	۳۲۶۹۹
میزان	۸۹۳۷	۴۹۶۵۷	۵۸۵۹۴

بحری باربرداری

مشرقی پاکستان میں دریاؤں کے ذریعے نقل و حمل کی بہت زیادہ اہمیت ہے پورے علاقہ میں جہازرانی کے قابل دریائی راستوں کی مجموعی لمبائی ۲۷۰۰ میل ہے۔ ان دریائی راستوں پر ایک ہزار سے زائد اسٹیمر اور لاتعداد مختلف النوع

کشتیاں چلتی ہیں۔ پٹ سن کا زیادہ حصہ انہی کشتیوں کے ذریعہ چاٹگانگ تک لے جایا جاتا ہے۔ مغربی پاکستان میں دریاؤں کو اس مقصد کے لئے بہت کم استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دریائے سندھ میں اٹک تک کشتی رانی ہو سکتی ہے دیگر دریاؤں اور نہروں میں جو جال کی طرح بچھی ہوئی ہیں۔ کشتیوں کا عام استعمال ہونا چاہیئے۔

بیرونی تجارت بڑے بڑے جہازوں کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ جن کے لئے عمدہ بندرگاہوں کا ہونا ضروری ہے۔ پاکستان کی تین مشہور بندرگاہوں کراچی، چاٹگانگ اور چلنا کا حال پہلے درج ہو چکا ہے۔

ہوائی باربرداری

ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے آمدورفت کا سلسلہ جاری ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ گزشتہ جنگِ عظیم کے دوران میں ہوابازی نے خصوصیت سے ترقی حاصل کی۔

چند سال پیشتر ہوائی جہاز کی آواز کانوں میں پڑتی تو مرد، عورتیں، بچے اس عجوبہ کو دیکھنے کے لئے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ جاتے، راہ گیر سڑک کے ایک کنارے کھڑے ہو کر آسمان کی طرف تکنے لگتے۔ مگر آجکل یہ بات نہیں رہی ہوائی جہاز دیکھنے کا تھوڑا بہت شوق تو بے شک آج تک موجود ہے۔ مگر عوام جان گئے ہیں۔ کہ جس طرح موٹر اور ریل گاڑی میں بیٹھ کر سفر کرتے ہیں۔ اسی طرح ہوائی

جہاز میں سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ آجا سکتے ہیں۔

ہوائی جہاز کے سفر میں نہ گرمی تنگ کرتی ہے۔ اور نہ سردی۔ گردو غبار کا تو نام تک نہیں ہوتا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دنوں کا سفر گھنٹوں میں اور مہینوں کا سفر دنوں میں طے ہو جاتا ہے۔ ایسی چیزیں جن کے سڑنے گلنے کا خطرہ ہو۔ یا ایسی چیزیں جن کی فوری ضرورت پڑ جائے۔ ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے ایک شہر سے دوسرے شہر تک فوراً پہنچ جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ سفر بہت خطرناک ہوتا ہے۔ کیونکہ اکثر حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر حادثے تو موٹر کے سفر میں بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر اعداد و شمار کا غور سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ موٹروں میں سفر کرنے کی نسبت ہوائی جہازوں میں سفر کرنے سے کہیں کم اموات واقع ہوتی ہیں۔

اس وقت پاکستان میں ہوائی جہازوں کا سلسلہ چند بڑے شہروں تک محدود ہے۔ اور ہوائی سفر کا کرایہ بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ سلسلہ وسیع ہونے پر مسافروں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا۔ اور کرایہ میں کمی واقع ہو جائے گی۔ تری مواصلات کے محدود ہونے اور خاص طور پر ملک کے مشرقی اور مغربی حصوں کے درمیان طویل فاصلہ ہونے کی وجہ سے ہوابازی کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ کراچی دنیا کے اہم ہوائی راستوں پر ہے۔ اور یہاں کے ہوائی اڈہ میں جدید ترین انتظامات مہیا کئے گئے ہیں۔

صنعت وحرفت

اسلام نے صنعت وحرفت کو بہت اہمیت دی ہے۔ قرآنِ مجید میں اس کا متعدد بار ذکر آیا ہے۔ بڑھئی گری، لوہاری، شیشہ گری، اسلحہ سازی اور دیگر صنعتوں کے تذکرے اس میں موجود ہیں۔ حضورِ اکرم صلعم نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی رزق نہیں، اور آپ نے دستکاری کو بہتر ذریعۂ معاش قرار دیا۔ انبیائے کرام نے صنعت وحرفت کو ذریعۂ معاش بنایا۔ حضرت آدم علیہ السّلام نے زراعت کی اور کپڑا بنا۔ حضرت نوحؑ نے بڑھئی کا کام کیا۔ حضرت ادریسؑ درزی کا کام کرتے تھے۔ حضرت داؤدؑ زرہ بناتے تھے۔ حضرت لقمان علیہ السّلام رسّیاں بناتے اور فروخت کرتے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام جوتے سیتے تھے۔ صحابۂ کرام کی بڑی جماعت دستکار تھی۔ ان میں سے بعض کپڑے بُنتے۔ بعض رنگسازی کا کام کرتے۔ بعض تلواریں اور زرہیں بناتے۔ اور بعض آلاتِ کاشتکاری۔

پاکستان خصوصاً ایک زراعتی ملک ہے ابھی تک ضرورت کے مطابق بڑے

پیمانے پر صنعتیں اور کاروبار ہمارے ہاں نہیں ہیں تقسیم ہند کے بعد پاکستان کو صرف دس روئی کے کارخانے، چار کاتنے والے کارخانے، نو خشکر کے کارخانے اور پانچ سیمنٹ کے کارخانے ملے۔ آٹھ سال میں ہم نے کافی ترقی کی ہے مگر ہمیں اپنی تمام ضروریات خود پوری کرنی ہیں۔ ہماری قوم اس وقت افلاس کے سمندر میں غرق ہے۔ اسلاف کی تقلید کرتے ہوئے ہمیں صنعت و حرفت میں بڑی سرگرمی اور پوری دیانت سے حصہ لینا ہے۔ قوم کا افلاس دور کرنے کا مؤثر طریقہ صنعتی ترقی میں مضمر ہے۔ اس لئے ہمیں محنت و قابلیت سے بڑے بڑے کارخانے قائم کرنے ہیں۔ اور دنیا کی متمول ترین قوم بننا ہے۔

پاکستان کی معاشی ترقی کے لئے زرعی ترقی اور صنعتی ترقی دونوں ضروری ہیں قائداعظمؒ کا ارشاد ہے "پاکستان کی جغرافیائی وسعت، باشندوں کی تعداد اور ان کے کردار نیز پاکستان کی معدنی دولت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ ہمارا ملک دنیا بھر میں سرفراز و خوشحال ہو۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے۔ کہ ہم زراعتی ترقی کے ساتھ ساتھ صنعتی سطوت بھی حاصل کریں اور پاکستان کی اقتصادیات کو صنعتی بنیادوں پر قائم کریں۔"

ایک مشہور ماہرِ مالیات کا قول ہے۔ کہ پاکستان کے پاس اعلیٰ درجہ کے قدرتی ذرائع موجود ہیں۔ اور دوسرے مغربی ممالک کی طرح پاکستان بھی ان ذرائع کو ترقی دے کر صنعتی ملک بن سکتا ہے۔ ترقی و خوشحالی کے لئے

پاکستان کو چار زبردست فائدے حاصل ہیں:۔

۱۔ پاکستان کے لوگ تندرست اور محنتی ہیں۔

۲۔ پاکستان کا سیاسی نظام ایسا ہے کہ حکومت اور عوام میں۔ کوئی فرق نہیں۔ یہ خوبی بعض ملکوں میں نہیں پائی جاتی۔

۳۔ پاکستان میں زندگی کی ابتدائی ضروریات بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اناج۔

۴۔ دوسرے ملکوں سے لین دین میں پاکستان کو اچھا خاصا منافع حاصل ہے۔

اِن اُمور کے علاوہ کراچی اور چٹا گانگ کی عمدہ بندرگاہیں، اَنذ خیز زمین بہتر ذرائع آبپاشی، پٹ سن، کپاس اور دیگر قیمتی اجناس کی پیداوار، اعلیٰ نسل کے مویشیوں کی موجودگی، معدنیات اور برق آبی کی ترقی کے ممکن وسائل پاکستان کی معاشیات کے ضامن ہیں۔ چنانچہ گذشتہ آٹھ سال میں پاکستان نے صنعتی لحاظ سے کافی ترقی کی ہے۔

صنعت و حرفت کی ضروریات

صنعت و حرفت کے لئے مندرجہ ذیل اُمور کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ خام اشیاء

۲۔ میکانکی طاقت

۳۔ ذرائع رسل و رسائل

۴۔ کارخانوں کی عمارات بنانے میں سہولت

۵۔ فنی قابلیت

۶۔ مشینری

۷۔ ریسرچ

۸۔ سرمایہ

۹۔ پراپگنڈہ

۱۔ پاکستان میں بہت سی اہم صنعتوں کے لئے خام اشیاء حسب ضرورت پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً کپاس کافی مقدار میں دستیاب ہوتی ہے۔ پٹ سن تو دنیا بھر میں سب سے زیادہ یہاں پیدا ہوتا ہے۔ چینی بنانے کے لئے نیشکر کی کاشت کافی رقبہ میں کی جاتی ہے۔ تیل نکالنے والے بیج بوئے جاتے ہیں۔ پاکستان سے کھالیں وغیرہ باہر بھیجی جاتی ہیں۔ ان سے چمڑے کی صنعتوں کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ مغربی پاکستان میں اُون دستیاب ہوتی ہے۔ جنگلات کی پیداوار سے کاغذ اور دیگر اشیاء بنائی جا سکتی ہیں۔ خام ملک معدنی دولت سے اٹا پڑا ہے۔ اس کو نکال کر بروئے کار لانے کی اشد ضرورت ہے۔

۲۔ پاکستان میں کوئلہ اور پٹرول کی کمی ہے۔ مگر صنعتی ادارے چلانے کے

لئے برقابی طاقت حاصل کرنے کے وسائل موجود ہیں۔

۳۔ صنعت وحرفت کی ترقی کے لئے ذرائع رسل ورسائل اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ عمدہ سڑکوں کے موجود ہونے سے رسل ورسائل کے اخراجات میں نمایاں کمی ہوجاتی ہے۔ کاشتکاری کے رقبہ میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ غلہ کی اجناس، پھل، سبزیاں زیادہ مقدار میں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ پاکستان بھر میں ریلوں اور سڑکوں کے جال کو وسیع پیمانے پر بچھا کر دیہات کو شہروں سے ملا دیا جائے۔

۴۔ کارخانے قائم کرنے کے لئے زمین درکار ہوتی ہے۔ عمارات بنانے کے لئے اینٹیں، لکڑی، سمینٹ اور لوہے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۵۔ صنعتی اداروں مثلاً کان کنی اور چمڑے اور کپڑے کے کارخانوں میں عام آدمی کام نہیں کر سکتے۔ بلکہ ماہر کاریگروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہماری حکومت کو چاہئے۔ کہ عوام میں فنی قابلیت پیدا کرنے کے لئے صنعتی تعلیم کے اداروں کو عام کردے۔

۶۔ پاکستان میں صنعت وحرفت کو فروغ دینے کے لئے مشینری کی سخت کمی ہے۔ سردست ہمارے پاس ضرورت کے مطابق مشینری ہے نہ اس کو بنانے کے ذرائع ہمیں چھوٹے اوزاروں سے شروع کر کے بڑی بڑی مشینیں بنانی ہیں۔

۷۔ صنعتی ترقی کے لئے ریسرچ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ہمارا پاکستان صنعتی میدان میں دوسرے ملکوں سے بہت پیچھے ہے۔ اس لئے ہمیں ریسرچ کی اسی نسبت سے زیادہ ضرورت ہے۔ ہمیں سوچنا ہے کہ کون کون سی نئی صنعتوں کو رائج کرنا ہے۔ موجودہ صنعتوں کو کس طرح فروغ دینا ہے۔ زرعی ترقی کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنی ہیں۔ مختلف اجناس کی پیداوار کو کس طرح بڑھانا ہے۔ قدرت کے عطا کردہ معدنی دفینوں کو کس طرح بروئے کار لانا ہے۔ عوام الناس کو خوشحال بنانے کے لئے کون کون سائنٹیفک طریقے استعمال کرنے ہیں؟

۸۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ سرمائے کے بغیر صنعت و حرفت کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر حکومت اور رعایا میں مکمل تعاون ہو، تو سرمائے کی اہمیت کسی حد تک کم ہو جاتی ہے ہمیں اور ہماری حکومت نے چھوٹی چھوٹی صنعتوں سے لے کر بڑی بڑی صنعتیں قائم کرنی ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ سرمایہ کے معاملہ میں ہم حکومت کی تعمیری اسکیموں سے پورا پورا تعاون کریں، اور اپنا سرمایہ صنعتی اداروں میں لگا کر خود نفع کمائیں، اور ملک کو خوشحال بنانے میں حکومت کی مدد کریں۔

۹۔ صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے لئے پراپیگنڈہ کی بھی بہت ضرورت ہوتی ہے۔

صنعتیں دو قسم کی ہیں (۱) بڑی صنعتیں (۲) چھوٹی یا گھریلو صنعتیں۔

بڑی صنعتیں

بڑی صنعتیں وہ ہیں جن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بہت سرمایہ اور طویل مدت درکار ہے۔ مثلاً اونی اور سوتی کپڑے کے کارخانے۔ کھانڈ بنانے کے کارخانے، سیمنٹ بنانے کے کارخانے وغیرہ۔ یہ کارخانے قائم کرنے کے لئے ہمیں مشینری چاہیئے، اور لمبا عرصہ درکار ہے۔ یہ کارخانے بہت نفع بخش ہوتے ہیں۔ ان صنعتوں کی طرف امیر لوگوں، اعلیٰ ملازم پیشہ اور بڑے زمینداروں کو توجہ دینی چاہیئے۔ کیونکہ وہ سرمایہ لگا کر منافع کے لئے انتظار کر سکتے ہیں۔

پاکستانی صنعتی ترقیاتی کارپوریشن

حکومت پاکستان نے ایک قانون کی رو سے ۱۲ جنوری ۱۹۵۲ء کو پاکستانی صنعتی ترقیاتی کارپوریشن قائم کی۔ اس کارپوریشن کا مقصد یہ نہیں تھا۔ کہ صنعتوں کو قومی ملکیت بنا دیا جائے۔ اس کے ذریعہ حکومت یہ چاہتی تھی کہ عوامی اور نجی سرمائے میں اس طرح رابطہ پیدا کیا جائے۔ کہ صنعتی منصوبوں میں شوق اور انہماک پیدا ہو۔

کارپوریشن کا پہلا فرض یہ ہے۔ کہ وہ صنعتوں میں یکسانیت اور ہمواری کو برقرار رکھنے کی نگرانی کرتی رہے۔ اور یہ دیکھے کہ کسی بھی اہم صنعت کو خواہ اس

میں نجی سرمایہ قطعاً نہ لگا ہو۔ نظر انداز نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے صنعتی منصوبوں پر تمام تر روپیہ عوامی سرمایہ سے لگایا جاتا ہے۔

فی الوقت کارپوریشن کے تحت حسب ذیل صنعتیں ہیں (۱) پٹ سن (۲) کاغذ (۳) لوہے اور فولاد کی صنعتیں (۴) جہاز سازی (۵) کیمیاوی مرکبات (۶) کیمیاوی کھادیں (۷) سمینٹ (۸) شکر (۹) کپڑا (۱۰) سوئی گیس اور (۱۱) ادویات

کارپوریشن اس وقت ۲۲ منصوبوں پر کام کر رہی ہے۔ جن پر ۱۹۵۶ء تک وہ پچپن سے ساٹھ کروڑ روپے تک سرمایہ لگائے گی۔

پٹ سن

حکومت اور نجی صنعت کاروں کی متحدہ کوششوں سے مشرقی بنگال میں آدم جی جوٹ ملز قائم ہوئیں۔ ہر سال پچاس ہزار ٹن سے زیادہ پٹ سن کی اشیاء تیار ہو رہی ہیں۔

کاغذ

کرنافلی پیپر ملز میں اکتوبر ۱۹۵۳ء سے کام شروع ہوا۔ اس کارخانے پر ۶ کروڑ روپے لاگت آئی۔ ہر سال تیس ہزار ٹن کاغذ تیار ہوا کرے گا۔ اس کے علاوہ نوشہرہ اور راہوالی میں کاغذ کے کارخانے زیر تکمیل ہیں۔

لوہے اور فولاد کی صنعت

کراچی میں ایک لاکھ ٹن کی مرچنٹ بار مل قائم ہو رہی ہے۔ دس ہزار

ٹن کی گانٹھوں کے چھتلے اور پانچ ہزار ٹن کی لوہے کی سلاخوں کے کارخانے قائم کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ کالاباغ میں لوہے کی کانوں کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

جہاز سازی

ڈیڑھ کروڑ روپے کی لاگت سے جہازوں کی مرمت اور چھوٹے جہاز تیار کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ مشرقی بنگال میں ۸۰ لاکھ روپے کی لاگت سے کشتیوں کی مرمت کا انتظام ہو رہا ہے۔

کیمیاوی مرکبات

نوشہرہ کے کارخانے میں دس لاکھ ٹن کاسٹک سوڈا اور کلورین تیار ہونا شروع ہو گئی ہے۔ اس کارخانے کی تعمیر پر ۲۶ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ مشرقی پاکستان میں گندھک کا تیزاب بنانے کا کارخانہ قائم ہو رہا ہے۔

کیمیاوی کھادیں

داؤد خیل میں ساڑھے چھ کروڑ کی لاگت سے ایک پچاس ہزار ٹن کا الومنیم سلفیٹ کا کارخانہ قائم ہو رہا ہے۔ جو ۱۹۵۶ء میں تیار ہو گا۔

سیمنٹ

پاکستان میں سیمنٹ کی کھپت دس لاکھ ٹن ہے۔ اور پانچ کارخانے ہیں۔ جو ۶ لاکھ ٹن سیمنٹ تیار کرتے ہیں۔ اس لئے حیدرآباد سندھ میں سوا لاکھ۔ روہڑی میں

ایک لاکھ، واہ میں ایک لاکھ ٹن اور تھل میں ایک لاکھ ٹن مزید سیمنٹ تیار کرنے کا بندوبست ہو رہا ہے۔ ۱۹۵۶ء کی ابتدا تک پونے آٹھ لاکھ ٹن سالانہ سیمنٹ تیار ہونا شروع ہو جائے گا۔

شکر سازی

تقسیم سے قبل مشرقی پاکستان میں پانچ اور مغربی پاکستان میں دو شکر کے کارخانے تھے، مردان میں ایک نیا کارخانہ تیار ہوا جس میں سالانہ پچاس ہزار ٹن کھانڈ تیار ہوتی ہے۔ پاکستان میں شکر کی کل پیداوار ۸۰ ہزار ٹن ہے۔ تھل میں ۱۹۵۵ء تک دو نئے کارخانے قائم ہو جائیں گے۔ جو ہر سال دس دس ہزار ٹن شکر پیدا کریں گے، شکر ہمارے ملک کی قدیم صنعت مشرقی بنگال سے اعلیٰ قسم کی شکر تیار ہو کر یورپ کے ملکوں میں بھیجی جاتی تھی۔

اُون

پاکستان میں پٹ سن کے سنہری ریشے اور کپاس کے روپہلی ریشے کے بعد تیسرا اہم ریشہ اُون ہے جو مغربی پاکستان کے ہر حصہ میں ہوتا ہے۔ خام اُون کی سالانہ پیداوار ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ پونڈ ہے۔ لیکن اونی کپڑے کے کارخانے نہ ہونے کے باعث اُون کی زیادہ مقدار برآمد کر دی جاتی ہے۔

پاکستان میں اُون کی آٹھ بڑی قسمیں ہیں، ہرنائی۔ ببرک۔ بلوچی۔ بخارانی تکی۔ شنواری۔ قندھاری اور ریگی۔ ان میں پہلی دو قسمیں دنیا میں خاص طور پر

مشہور ہیں۔ اور یہ لورپول میں خاصی قیمت پاتی ہیں۔ اون کی ان مختلف قسموں کی لمبائی ڈیڑھ انچ سے ساڑھے چار انچ ہوتی ہے۔ اور رنگ عموماً سفید۔

اگرچہ پاکستان میں کافی اون ہوتا ہے۔ اور اس کی عمدہ اقسام بھی موجود ہیں مگر اون حاصل کرنے کے طریقے ابھی تک ناقص ہیں۔ عموماً اون معمولی دیسی وضع کی قینچیوں سے کاٹا جاتا ہے پھر اون کاٹنے سے پہلے جانور کو نہلانا ضروری ہے مگر یہاں دستور نہیں، بلکہ کاٹنے کے بعد اون دھویا جاتا ہے۔ اس سے اس کی آب میں بڑا فرق آجاتا ہے پھر اون کو صاف بھی پرانے طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

اس وقت مغربی پاکستان میں چار اونی کارخانے قائم ہیں۔ ان میں چھ ہزار نو سو تکلے ہیں۔ یہ کارخانے . . . .
. . . ایک کروڑ کی لاگت سے تیار ہوئے ہیں۔ پانچواں کارخانہ ۲۵ لاکھ روپے کی لاگت سے ملتان میں قائم ہوگا۔

سوتی کپڑے

سوتی کپڑوں کے تکلوں کی تعداد نو لاکھ ہے ۱۹۵۵ء تک بیس لاکھ مزید تکلے کام شروع کر دیں گے۔ کھڈیوں کی صنعت کو فروغ دینے کی حکومت پوری شدت سے تگ و دو کر رہی ہے۔

تمباکو

اس وقت چھ سگریٹ فیکٹریاں کام کر رہی ہیں۔ جن میں مجموعی طور پر سالانہ ۶ ارب

۸۰ کروڑ نوے لاکھ سگرٹیں تیار ہوتی ہیں۔ تین کروڑ کی لاگت سے پانچ مزید کارخانے زیر تکمیل ہیں

دیا سلائی

فی الوقت پاکستان میں ۱۴ کارخانے ہیں۔ جن میں سوا بانوے کروڑ بکس سالانہ تیار ہوتے ہیں۔ سات نئے کارخانے زیر تکمیل ہیں، جو ۱۹۵۵ء کے آخر تک مکمل ہو جائیں گے۔ اور مجموعی طور پر ایک ارب سوا چوالیس کروڑ بکس تیار ہونے لگیں گے۔

چمڑا

چمڑا ایک نہایت، قیمتی خام مواد ہے۔ اس سے جوتے، موزے، دستانے سوٹ کیس، ہینڈ بیگ، پوستین، مشینی پٹے۔ کاٹھیاں اور اس قسم کی دیگر اشیاء بنتی ہیں، پاکستان میں یہ صنعت بہت فروغ حاصل کر سکتی ہے۔ اس صنعت کو ترقی دینے کے لئے حکومت کو چاہیئے۔ کہ وہ چمڑے سے متعلق پیشہ ورانہ تعلیم کا انتظام کرے۔ اور چمڑے اور کھالوں کا معیار بلند کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس وقت ہمارے لوگ مویشیوں کو صرف زرعی اور غذائی ضروریات کے لئے پالتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے ممالک میں معیاری چمڑہ حاصل کرنے کے لئے مویشیوں کی خاص طور پر نگہداشت کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں مویشیوں کی کھالوں میں کئی دفعہ کانٹے چبھ کر ان کا معیار پست کر دیتے ہیں۔ مختلف بیماریاں

کھالوں کی خوبصورتی کو بگاڑ دیتی ہیں ۔ مگر ترقی یافتہ ممالک میں گلہ بانوں کو اپنے جانوروں پر حکماً دوائیاں چھڑک کر ان کی جوئیں ۔ زہریلی کھیاں، اور کیڑے مارنے پڑتے ہیں ۔ مختلف بیماریوں سے بچانے کے لئے جانوروں کو مختلف موسموں میں پانی میں جراثیم کش مرکبات ڈال کر نہلانا پڑتا ہے ۔

پاکستان میں بھینس، گائے ۔ بکری اور بھیڑ کی سالانہ پیداوار علی الترتیب ۸۰ لاکھ ۵۰ لاکھ، ۶۰ لاکھ اور ۲ لاکھ ہے ۔ مگر چمڑا کمانے اور رنگنے کے کارخانے ضرورت سے بہت کم ہیں ۔

بسکٹ کے کارخانے

سکھر بسکٹ کے کارخانوں کا مرکز ہے ۔ کراچی حیدرآباد ۔ ملتان منٹگمری اور پٹینہ میں بھی بسکٹ کے کارخانے موجود ہیں ۔

بناسپتی یا نباتاتی تیل

بیجوں سے تیل نکالنے کے کارخانے کراچی ۔ ملتان، لائل پور، حیدرآباد ۔ سکھر ڈھاکہ ۔ باریسال اور رنگ پور میں ہیں ۔

فلم کی صنعت

بعض دوسری صنعتوں کی طرح پاکستان میں فلم کی صنعت بھی ابتدائی منازل میں ہے ۔ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے ۔ اور علماء کے نزدیک سینما دیکھنا لہو و لعب ہے ۔ اس لئے وہ فلموں کو شرعاً ناجائز بلکہ حرام قرار دیتے ہیں ۔ دوسری طرف

بعض لوگ علماء کے اس فتویٰ کو تنگ نظری پر محمول کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں۔ آج کل جو فلمیں تیار ہوتی ہیں۔ وہ واقعی مخرب اخلاق ہیں۔ اس صنعت کے اجارہ داروں کا واحد مقصد صرف دولت کمانا ہے دوسری طرف اسلام زمانۂ حال کی ترقیوں سے بہرہ اندوز ہونے میں حائل نہیں ہوتا، ہونا یہ چاہئے کہ فلمیں ایسی تیار ہوں جو تعلیمی افادیت کی حامل ہوں اور مخرب اخلاق ہونے کی بجائے لوگوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہوں، اس طرح فلمی صنعت قومی ترقی کے لئے ایک مفید ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ تعلیم و تربیت، صنعت و حرفت، حفظانِ صحت، تاریخی اور جغرافی معلومات بڑھانے اور دیگر بے شمار کارآمد شعبوں کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

دوسری قسم کی صنعتیں چھوٹی یا گھریلو صنعتیں ہیں۔

گھریلو صنعتوں کے فوائد

پاکستان ابھی صنعتی ترقی کی ابتدائی منازل طے کر رہا ہے۔ اس لئے چھوٹی یا خانگی صنعتوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اور انہیں بعض فوائد اور آسانیاں حاصل ہیں مثلاً۔

(۱) بڑی صنعتوں کے لئے بڑی مشینوں اور زیادہ سرمائے کی ضرورت ہے۔ چھوٹی صنعتیں آسانی سے شروع ہو سکتی ہیں۔

۲۔ خانگی صنعتوں کے فروغ سے کاشتکار طبقہ اور شہری آبادی کی آمدنی

میں اضافہ ہوگا۔ لوگ خوشحال ہوکر آسائش سے زندگی بسر کرنے لگ جائیں گے۔

۳۔ جوں جوں زراعت اور صنعتی کاموں میں زیادہ مشینوں کا استعمال شروع ہو جائے گا۔ بیکاری بڑھ جائے گی۔ اس بیکاری کا حل یہی ہے۔ کہ تمام ملک میں جتنی جلدی ہو سکے۔ چھوٹی صنعتیں تیار ہونا شروع ہو جائیں۔

۴۔ خانگی مصنوعات کی فروخت کے لئے بازار نہایت محدود ہوتا ہے۔ اس سے کاریگر کو اپنے مال کی طلب کی کمی بیشی اور اس میں تغیر و تبدل کی ضرورت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ اور دستکار طلب کی کیفیت کو جانتے ہوئے کام کرتا ہے۔

۵۔ خانگی مصنوعات میں مزدور اپنی خوشی سے جب چاہے۔ جتنا جی چاہے۔ کام کرتا ہے۔ کارخانوں کی طرح جبری پابندیٔ اوقات نہیں ہوتی۔ وہ جب چاہے محلہ دار اور دوستوں۔ کے رنج و راحت میں شریک ہو سکتا ہے۔

۶۔ خانگی صنعتوں میں کھیتی باڑی کے کام سے فرصت پا چکنے کے بعد مزدور کم اجرت پر مہیا آ سکتے ہیں۔

۷۔ خانگی صنعتیں مقامی مذاق اور ضرورت کے مطابق خاص قسم کا مال تیار کرنے میں کارخانوں کے مقابلہ میں فائدہ میں رہتی ہیں۔

۸۔ اپنے گھروں میں کام کرنے والے بہتر اور اچھی اخلاقی فضا میں رہتے ہیں۔ مزدور گھر سے دور کارخانوں میں مخرب اخلاق عادتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

۹۔ خانگی مصنوعات سے ملک کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ بیرونی مانگ کم ہو جاتی ہے۔

۱۱۔ خانگی مصنوعات سے جو روپیہ بچتا ہے۔ اس سے ہم بھاری مشینری خرید سکتے ہیں۔

اب چھوٹی اور گھریلو صنعتیں میں سے بعض ذیل کو الف درج کیے جاتے ہیں۔

چھوٹی یا گھریلو صنعتیں

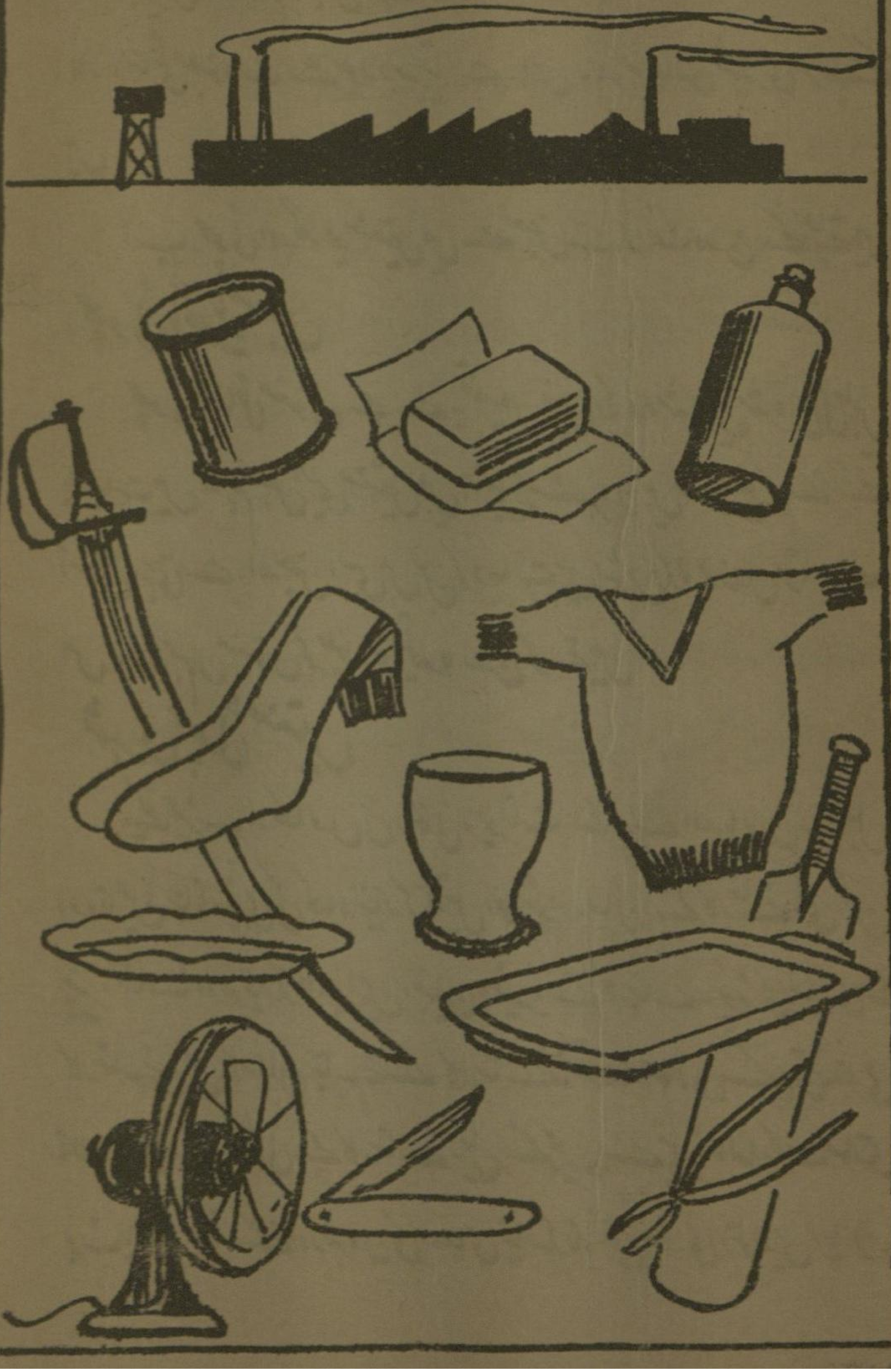
چھوٹی یا خانگی صنعتوں کے لئے یہ تخصیص نہیں، کہ وہ شہر میں شروع کی جائیں یا دیہات میں۔ تاہم بعض ایسی صنعتیں ہیں، جنہیں شہروں میں شروع کرنے سے آسانی رہتی ہے۔ اور بعض ایسی ہیں جن کو دیہات میں شروع کرنا موزوں ہوتا ہے۔

اس لئے ہم ان صنعتوں کو علیحدہ علیحدہ درج کرتے ہیں۔

شہری چھوٹی صنعتیں

کچے چمڑے اور کھالوں کی رنگائی۔ حیوانات کے بالوں اور بالوں سے کمبل اور قالین بنانا، ہڈی کی کھاد تیار کرنا، تیل، خوشبو اور صابن کے کارخانے، گھی، مکھن پنیر، خشک دودھ تیار کرنا۔ جرابیں، بنیان وغیرہ کے کارخانے۔ چوڑی سازی کے کارخانے، بجلی کا سامان بنانے کے کارخانے، مختلف دھاتوں کے برتن، مشینری آلات تیار کرنا۔ رنگائی کے کارخانے۔ تیل کے بیجوں سے تیل نکالنا۔ کلف سازی بوٹ پالش بنانا، لکھنے اور مہروں کی سیاہی تیار کرنا، قفل سازی۔ تلواریں، چاقو۔

شہری صنعتیں



چھریاں تیار کرنا۔ ڈاکٹری کے اوزار تیار کرنا۔ نب، سینے کی سوئیاں تیار کرنا۔ چاک پنسلیں تیار کرنا۔ گتہ۔ سیپ کے بٹن۔ زری کا کام۔ قالین سازی۔

دیہاتی گھریلو صنعتیں

سوت اور اُون کی کتائی۔ کھدر بافی۔ دری اور کھیس کی بنائی۔ اونی کمبل کی تیاری۔ نوار بافی۔ دھاگا تیار کرنا۔ بوٹوں کے تسمے بنانا۔ بانس، شہتوت کے ٹوکرے ٹوکریاں بنانا۔ مُونج اور سن کا بان بٹنا۔ مُونج کی کونچیاں تیار کرنا۔ سن کے ٹاٹ اور رسیاں بنانا۔ لکڑی کا سامان اور کھلونے تیار کرنا۔ مٹی کے برتن بنانا جنگل کی پیداوار مثلاً لاکھ، شہد، گوند اور ادویات جمع کرنا۔ شہد کی مکھی اور بھیڑ بکری پالنا۔ ترکاریاں اور ساگ سکھانا اچار، مربے، چٹنیاں بنانا۔ کھجور، تاڑ اور بیڑے کے پنکھے بنانا۔ بانس یا گندم کی ناڑ سے چنگیریں بنانا۔ کمربند بنانا۔ پرانے سے تیار کرنا۔ تار کے چھینکے ٹوکریاں بنانا۔ چکن اور پھلکاریاں تیار کرنا۔ چٹائیاں، صفیں، چکیں بنانا۔ صابن بنانا۔ خوشبودار تیل تیار کرنا۔ مرغی پالنا اور انڈوں کی تجارت کرنا۔

ظروف سازی

مٹی کے برتن بنانے کی صنعت انسانی تاریخ کی سب سے پرانی صنعتوں میں سے ہے۔ مسیح کی پیدائش سے دس ہزار سال پہلے کے زمانے میں اس صنعت کے آثار ملتے ہیں۔ خیال ہے پتھر کے زمانے میں انسان نے مٹی کا پہلا برتن تیار کیا ہو گا۔ تاکہ اس میں کھانے پینے کی چیزیں رکھ سکے۔ گویا ابھی انسان

کو کان سے لوہا نکالنا اور اسے آگ میں گلانا نہیں آیا تھا۔ کہ اس نے آگ پر مٹی کو پکانا خوب سیکھ لیا ہوگا۔ موئن جودارو اور ہڑپہ (ضلع منٹگمری) کے آثار قدیمہ میں رنگین مٹی کے برتن ملے ہیں یعنی پاکستان میں یہ صنعت پانچ ہزار قبل از مسیح جاری تھی۔ مغلوں کے عہد میں بھی اس صنعت نے کافی فروغ حاصل کیا۔ رنگین اینٹیں جو اس وقت کی عمارتوں میں استعمال ہوئیں۔ اس صنعت کی ترقی کی نشانی ہیں۔ یہ فن اتنا قدیم ہے کہ پاکستانی کمہار کو برتنوں کی خوبصورتی و نزاکت کے آرٹ سے فطری واقفیت ہو گئی ہے۔ اس کے بنائے ہوئے نازک خدوخال بیل بوٹوں کی کثرت کے باوجود برابر نمایاں رہتے ہیں۔

مٹی کے برتن یوں تو گوجرانوالہ، سیالکوٹ، ملتان میں بھی بنتے ہیں۔ مگر گجرات اور بہاولپور کے شہر اس صنعت کے لئے خاص مشہور ہیں۔ گجرات سب سے بڑا مرکز ہے۔ بہاولپور میں صراحیاں وغیرہ بنتی ہیں۔ مگر یہ صنعت گھریلو اور دستی صنعت کی حدود سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جاپان کا چینی کا مال آنا بند ہوا۔ تو گجرات، سیالکوٹ، ملتان میں چائے کے سیٹ اور دیگر استعمال کے برتن بنانے کے لئے چھوٹے موٹے کارخانے قائم ہو گئے۔

معمولی سی توجہ سے یہ صنعت بہت ترقی کر سکتی ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ ظروف سازی کے لئے فنی تربیت کا انتظام کرے۔ کاریگروں کے لئے ورکشاپ

قائم کئے جائیں۔ مٹی کو صاف کرنے والی جدید طرز کی بھٹیاں تعمیر کرائی جائیں مٹی کی کھدائی کا کام کیا جائے۔ تیار شدہ مصنوعات کو دور دراز علاقوں میں پہنچانے کے لئے نقل و حرکت کا انتظام کیا جائے۔

کھیلوں کا سامان

خود پاکستان کے لوگ نہیں جانتے۔ کہ دنیا بھر میں کھیلوں کا بہترین سامان سیالکوٹ میں تیار ہوتا ہے۔ اور دنیا کے ہر ملک میں اس کی سخت مانگ ہے

اس صنعت نے ۱۸۶۰ء میں ایک غیر معمولی دستکاری کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ بیس سال کے قلیل عرصہ میں اس صنعت کی جڑیں کافی مضبوطی پکڑ گئیں۔ تقسیم ہند کے وقت یہ صنعت کافی ترقی یافتہ تھی۔ مگر تقسیم کی وجہ سے اسے کافی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ کاریگر تو مسلمان ہی تھے۔ مگر صنعت پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ انہوں نے بھارت میں پہنچ کر نیا سیالکوٹ کا شہر آباد کیا۔ حکومت نے بھی پوری توجہ نہ دی، اس لئے اس صنعت کو سخت دھکا لگا۔ دوسرا دھکا پونڈ کی قیمت کم ہو جانے کی وجہ سے لگا۔ مگر آہستہ آہستہ یہ صنعت اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی ہے۔ اور اب دوبارہ ترقی کے منازل طے کر رہی ہے۔

کھیلوں کا سامان تیار کرنے کے لئے شہتوت کی لکڑی، گائے کا چمڑہ۔ کارک۔ ربڑ اور دھاگے کی ضرورت ہوتی ہے۔ شہتوت کی لکڑی شمالی سرحدی علاقہ، ریاست سوات، دیر، چترال میں بکثرت موجود ہے۔ سیالکوٹ میں کھیلوں کا

ہر قسم کا سامان تیار ہوتا ہے۔ چھوٹے بڑے کل سات سو کارخانے ہیں۔ جن میں پندرہ ہزار کاریگر کام کرتے ہیں۔

ڈاکٹری اوزار بنانے کی صنعت

یہ صنعت پاکستان میں نئی نہیں۔ بلکہ پچاس سال پیشتر سے شروع ہے۔ سیال کوٹ اس صنعت کا مرکز ہے۔

ماہی گیری

پاکستان کا ساحل ۷۵۰ میل لمبا ہے جس میں جھینگا۔ پلہ۔ غول۔ سا۔ رائے شارک اور دیگر اقسام کی مچھلیاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ دریائے سندھ اور بر بحر ہیرا کے ڈیلٹے رنگا رنگ کی مچھلیوں سے بھر پور ہیں۔ مگر اس دولت سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا۔ مغربی پاکستان میں تو مچھلی کھانے کا شوق ہی بہت کم ہے۔ حالانکہ یہ ایک طاقتور غذا ہے۔ اور اس کے استعمال سے مویشی کم ذبح ہوں گے۔ مچھلی کا تیل صحت درست رکھنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مچھلی کو ڈبوں میں بند کر کے باہر بھیجنے کی صنعت ترقی کر سکتی ہے۔ بہر کیف خام مال کی تو ہمارے ہاں کمی نہیں۔ کمی جس چیز کی ہے۔ وہ ہیں آلات اور مشینیں نیز تربیت یافتہ ماہر اس وقت مچھلیاں پکڑنے والی کشتیاں بادبانوں سے چلتی ہیں۔ اور چھ سات میل سے آگے نہیں جا سکتیں۔ ان کشتیوں میں تیل سے چلنے والے امدادی انجن لگائے جانے چاہئیں۔ اس وقت کشتیوں کو ساحل پر لانے

اور مچھلی کو بازار تک فروخت کے لئے لے جانے کی سہولتیں بھی محدود ہیں۔ ان سہولتوں اور آسانیوں میں اضافہ ہونا چاہیئے۔ اگر مچھلی کو صاف کرنے اور جدید طریقوں سے مچھلی کی کھاد بنانے کا کام شروع کیا جائے۔ تو کافی فائدہ رساں چیز ہے۔

۱۹۵۳ء میں ایک لاکھ اسی ہزار ٹن مچھلی پکڑی گئی۔ جس میں سے ساڑھے چوبیس ہزار ٹن مچھلی برآمد کی گئی۔ جس کی قیمت ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار وصول ہوئی۔ چار ہزار ٹن مچھلی کی کھاد برآمد کی گئی۔ جس سے تیرہ لاکھ روپیہ کی آمدنی ہوئی۔

لنگی بافی

اسلامی تہذیب میں دستار ہمیشہ سے اہمیت رکھتی ہے۔ اور اسے طرۂ امتیاز اور معیارِ فضیلت سمجھا جاتا ہے۔ شملہ بقدرِ علم کی ضرب المثل تو آپ ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں۔ آجکل ٹوپی پہننے کا عام رواج ہو جانے کے باوجود دستار استعمال ہوتی ہے۔

کلاہ کی طرح پشاور میں لنگی کی تاریخ بھی پرانی ہے۔ اور قریباً دو سو سال سے رائج ہے۔ سرحد کی گھریلو صنعتوں میں لنگی کو بہت اہمیت حاصل ہے پشاوری لنگیاں اپنی صفائی، باریکی اور مضبوطی کے لئے مشہور ہیں۔ اس شہر میں اس وقت بھی قریباً پچاس کارخانے کام کر رہے ہیں۔ پاکستان کی ضروریات پورا کرنے کے علاوہ یہ لنگیاں افغانستان اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کو

بھی بھیجی جاتی ہیں۔ ملتان میں بھی لنگیاں تیار ہوتی ہیں۔

کلاہ سازی

تاریخ بتاتی ہے۔ کہ کلاہ پہننے کا رواج قدیم زمانے سے کسی نہ کسی شکل میں چلا آتا ہے۔ پشاور کی گھریلو دستکاریوں میں سب سے اہم صنعت کلاہ سازی ہے جو یہاں کم و بیش ڈھائی سو سال سے رائج ہے۔ کلاہ سازی کے ساتھ سرحد کے سنگلاخ اور چٹیل میدانوں میں رہنے والے تومند اور قوی ہیکل باشندوں کے شاندار کارنامے قومی روایات تہذیب، ثقافت اور رومان وابستہ ہیں۔ قزلباش جب ایران سے ہندوستان میں داخل ہوئے تو کمر بند زریں باندھے اور سرخ بانات اور مخمل کے کلاہ اوڑھے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے یہ قزلباش کہلاتے تھے۔

کلاہ ابتدا میں صرف مخروطی شکل کے ہوتے تھے۔ جسے ایرانی کلاہ کہتے تھے لیکن وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ ان کی ساخت بھی بدل گئی۔ مدور اور گنبد نما کلاہ بھی استعمال ہونے لگے۔ ایران۔ سمرقند۔ بخارا اور افغانستان کی خواتین بھی ایک نرم قسم کا کلاہ پہنتی تھیں۔ جسے عرق چین کہتے تھے۔ فوج اور پولیس میں بھی کلاہ استعمال ہوتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں کچے مال کی گرانی، کپڑے۔ کاغذ، روئی اور زاروں کی کمیابی نے اس صنعت کو بہت نقصان پہنچایا۔

گھریلو مرغی خانے :۔ پاکستان میں مرغی خانے بہت ہی قلیل تعداد میں ہیں،

مغربی ممالک میں گھریلو مرغی خانے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ہمیں ہر گھر کے ساتھ مرغی خانے کھولنے چاہئیں۔ ان کے لئے اتنے سرمائے کی بھی ضرورت نہیں۔

گھریلو مرغی خانوں کے حسب ذیل فوائد ہیں۔

۱۔ مکان یا کوٹھی کے ساتھ خالی رقبہ زمیں مرغی خانہ کھولنا یا دیگر پرندے پالنا اس رقبہ زمین کا بہترین مصرف ہے۔

۲۔ گھر کے باورچی خانہ کی بچی کھچی غذائیں اور سبزیاں، فالتو غلہ اور سوکھی ہوئی روٹیاں بیکار ضائع نہیں ہوتیں۔ ان سے پرندوں کی پرورش ہو جاتی ہے۔

۳۔ گھریلو مرغی خانے سے حاصل کئے ہوئے انڈے، چوزے اور پرندے گھریلو خوردونوش کے استعمال میں آتے ہیں۔ چوزوں اور پرندوں کو خریدنے کے اخراجات کسی حد تک بچ جاتے ہیں۔

۴۔ گھریلو مرغی خانہ ایک دلچسپ مفید مشغلہ ہے۔ جو لوگ دفتروں اور تجارتی اداروں میں ملازم ہیں۔ وہ فرصت کے اوقات میں اپنے رکھے ہوئے پرندوں کی دیکھ بھال کر کے ایک طرح پر لطف اٹھا سکتے ہیں۔

۵۔ جو انڈے چوزے اور پرندے گھریلو ضروریات سے بچ جائیں۔ وہ آسانی سے فروخت کئے جا سکتے ہیں، اس طرح گھریلو مرغی خانہ آمدنی کا ایک ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔

بیکار چیزوں کا صحیح مصرف

سائنس کا یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ کہ دنیا کی کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر ایک مادہ پھر پھرا کر اپنی اصل صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مگر اس مقام پر پہنچنے کے لئے اسے ہزاروں سال درکار ہوتے ہیں۔

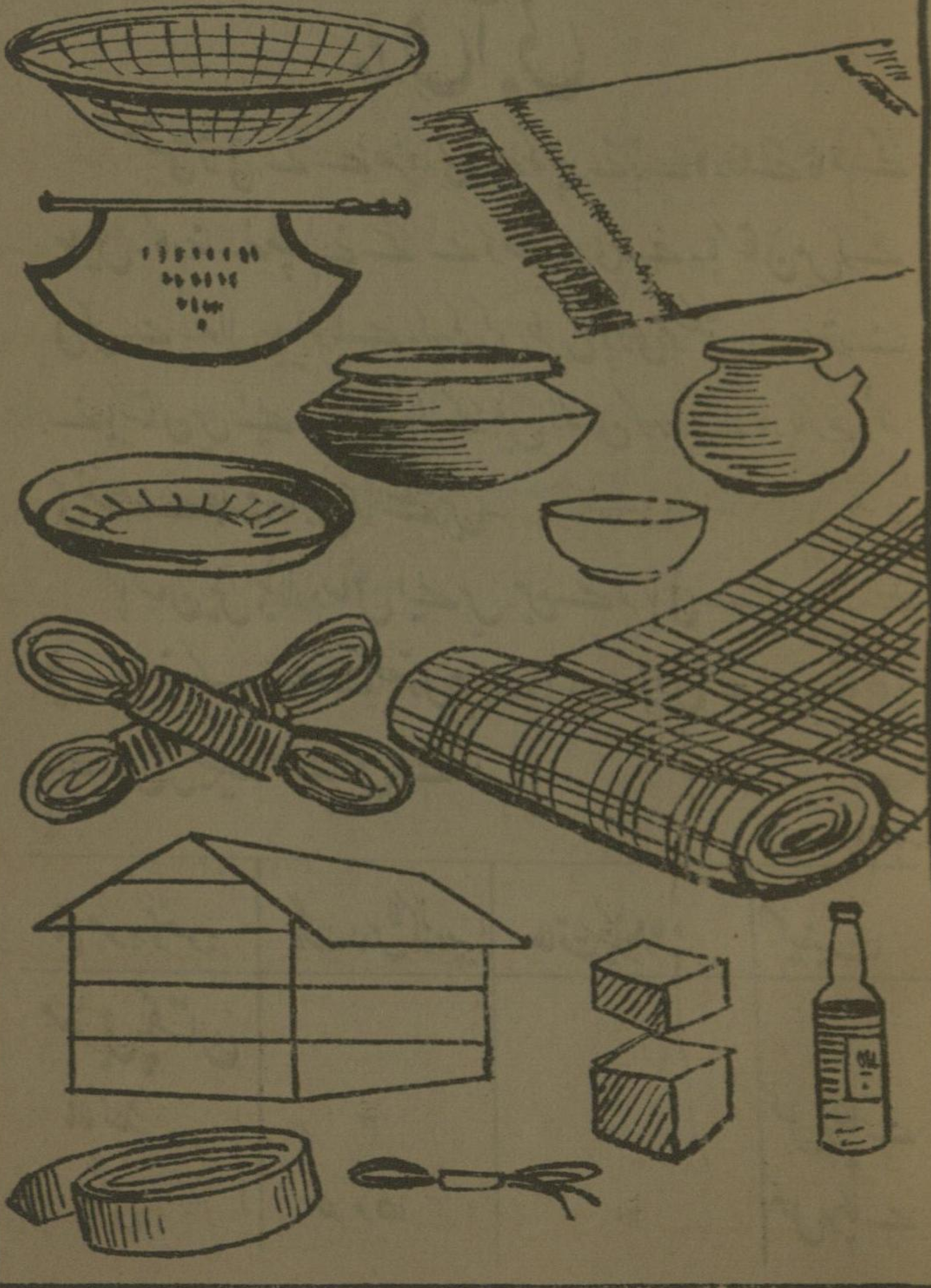
جو اشیاء آج سے کچھ عرصہ پہلے بیکار سمجھ کر ضائع کر دی جاتی تھیں۔ انسان نے اپنے علم و عقل کی بدولت انہیں مصرف میں لا کر فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں بیکار چیزوں سے بہت فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

ہمارا پاکستان اقتصادی لحاظ سے بہت پس ماندہ ملک ہے۔ اس لئے ہمیں بیکار چیزوں کو صحیح مصرف میں لا کر زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مثلاً

۱۔ ہم مذبح خانوں کی اشیاء کی افادیت سے کما حقہ، واقف نہیں ہیں۔ جن چیزوں کو ناکارہ اور فضول سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ وہ بہت قیمتی مواد کے حامل ہوتے ہیں۔ جانوروں کے خون سے بہترین قسم کی کھاد تیار کی جا سکتی ہے۔ ہڈیوں کے روغن سے صابن اور موم بتیاں بنائی جا سکتی ہیں۔ ہڈیوں کا برادہ شکر سازی کی صنعت اور چاندی کے برتنوں پر پالش کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ مچھلی کے چھلکوں، کھال اور پنکھوں سے جو ردی سمجھ کر پھینک دیئے جاتے

دیہاتی صنعتیں



ہیں۔ ایک قسم کا سریش تیار ہو سکتا ہے جو جلد سازوں اور چمڑہ صاف کرنے والوں کے لئے بہت مفید ہے۔

برقِ آبی

صنعتی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ چھوٹے بڑے کارخانے قائم کئے جائیں۔ کارخانے چلانے کے لئے کوئلہ ضروری ہے۔ پاکستان میں کوئلے کی کمی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ کمی کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟ قدرت نے پاکستان میں ایسے وسائل پیدا کئے ہیں۔ کہ ان کو بروئے کار لاکر ہم کوئلہ کی قلت سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

پاکستان میں بیشمار وسائل ایسے ہیں۔ جن سے ہم پانی سے بجلی پیدا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ملک کے مختلف حصوں میں دریاؤں اور نہروں سے بجلی پیدا کی گئی ہے۔ جس کی کیفیت حسب ذیل ہے۔

نام صوبہ و منصوبہ	لاگت (دس لاکھ روپیہ)	طاقت سینکڑہ کلوواٹ	کیفیت
مغربی پاکستان			
مالاکنڈ	۴	۱۰	مکمل ہو چکا ہے
درگئی	۵ ر ۱۵	۲۰	مکمل ہو چکا ہے

وارسک	۲۲۱	۱۵۰	زیرِ تکمیل ہے
رسول	۸۵٬۶	۲۲	تکمیل ہو چکا ہے
میانوالی	۲۱۱٬۴	۱۰۰	ابتدائی مراحل میں ہے
چارانہار منصوبہ	۸۷٬۱	۸۱	زیرِ تکمیل ہے
مشرقی پاکستان			
کرنا فلی	۱۸۸٬۸	۱۶۰	زیرِ تکمیل ہے

برقی قوت صرف خانگی ضرورتوں کو پورا کرنے اور چھوٹے بڑے کارخانوں کو چلانے کے لئے ہی استعمال نہیں ہوتی، بلکہ اس سے ریلیں بھی چلائی جا سکتی ہیں۔ اور بلند سطح والے بنجر اور چٹیل میدانوں کو بھی سیراب کیا جا سکتا ہے۔

سیاسی نظام

اسلامی ریاست کا سیاسی نظام باقی سب نظاموں سے اعلیٰ وارفع ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلامی سیاست کا اوّلین اصول یہ ہے۔ کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے فرداً فرداً اور مجتمعاً سلب کر لئے جائیں۔ کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں۔ وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں۔ یہ اختیار صرف اللہ کو ہے۔ اس نظریہ کے مطابق اسلامی ریاست کی خصوصیات یہ ہوتی ہیں کہ:۔

۱۔ کوئی شخص، خاندان، طبقہ یا گروہ حاکمیت کا مالک نہیں ہوتا۔ حاکمِ اصلی صرف خدا ہے۔ حکم دینے اور قانون بنانے کا حق صرف اللہ کو ہے اور باقی سب محض رعیّت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ قانون سازی کے اختیارات بھی خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتے سارے مسلمان مِل کر بھی نہ اپنے لئے کوئی قانون بنا سکتے ہیں نہ خدا کے بنائے ہوئے

کسی قانون میں ترمیم کر سکتے ہیں۔

۳۔ اسلامی ریاست میں وہی قانون رائج ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے اس سے نبی صلعم نے دیا ہے۔ اسلامی حکومت میں برسر اقتدار لوگ خدا کے قانون کو نافذ کرتے ہیں۔

اسلامی حکومت متعدد امتیازی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ حاکم اعلیٰ سے ایک عام شہری تک ایک طرف اپنے خالق و مالک کے روبرو جواب دہ ہے۔ دوسری جانب وہ کسی زمینی حاکم کے سامنے اپنے افعال و اعمال کے لئے ذمہ دار ہے خوفِ الٰہی اور سزائے آخرت کے دونوں قائل ہیں۔ علانیہ طور پر تو مسلمان اس لئے کسی گناہ یا جرم کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔ کہ سرکاری حکام کا خوف دامنگیر ہوتا ہے۔ اور خفیہ طور پر اس لئے ارتکاب گناہ یا ارتکاب جرم سے باز رہتا ہے کہ اسے اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ اس طرح اسلامی ریاست میں کسی شہری کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

اسلامی سیاسی نظام کا مقصد یہ ہے۔ کہ دنیا میں امن اور عدل و انصاف اور نیکی و شرافت کی حکومت ہو۔ کوئی شخص یا کوئی جماعت خدا کے بندوں کو اپنا بندہ نہ بنائے۔

اسلامی نظامِ حکومت اس احساس سے چلایا جاتا ہے۔ کہ ہم سب بحیثیت مجموعی اور ہم میں سے ہر ایک فرداً فرداً خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس خدا کے سامنے جو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ جس کے علم سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی، اور جس کی گرفت سے ہم مر کر بھی نہیں چھوٹ سکتے۔ خلافت کی ذمہ داری جو ہمارے سپرد کی گئی ہے۔ وہ اس لئے نہیں کہ ہم لوگوں پر اپنا حکم چلائیں۔ ان کو اپنا غلام بنائیں۔ ان سے ٹیکس وصول کر کے اپنے لئے عالیشان محل تعمیر کریں۔ حاکمانہ اختیارات سے کام لے کر اپنے عیش اور اپنی نفس پرستی کا سامان کریں۔ بلکہ یہ بار ہم پر اس لئے ڈالا گیا ہے کہ ہم خدا کے قانونِ عدل کو اس کے بندوں پر جاری کریں۔ اس قانون کی پابندی اور اس کے نفاذ میں ہم نے اگر ذراسی کوتاہی بھی کی، تو ہم خدا کی عدالت سے سزا پائیں گے۔ خواہ دنیا میں ہر سزا سے محفوظ رہ جائیں۔

اسلامی سلطنت میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ جو خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا احساس رکھتے ہوں۔ جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے ہوں۔ جن کی نگاہیں اخلاقی نفع و نقصان کا وزن دنیوی نفع و نقصان سے زیادہ ہو۔ جن کی تمام سعی و جہد کا ہدف بمقصود خدا کی رضا ہو جو مال و حکومت کے نشے میں بدمست ہو جانے والے نہ ہوں۔ لوگ اُن کی حفاظت میں اپنی جان و مال آبرو ہر چیز کی طرف سے بے خوف رہیں ؛

معاشی نظام

آج دُنیا میں معاشیات کا مسئلہ دُنیا کا اہم ترین مسئلہ بن چکا ہے مخلوق خدا کے لئے زندگی گزارنا دشوار ہو گیا ہے۔ انسانیت سخت خطرے میں مبتلا ہے۔ کروڑہا فتنے پیدا ہو چکے ہیں۔ عالمگیر تباہی و بربادی مسلّط ہے۔ دُنیا کی دولت کا اکثر حِصّہ آبادی فقر و فاقہ، افلاس و تنگدستی میں مبتلا ہے، جس کا نتیجہ چوری، ڈاکہ، مکر و فریب، حسد و عداوت ہے۔ غرضیکہ موجودہ زمانے میں جس قدر بے قراری اور بدامنی کی موجیں پھیل رہی ہیں، ان پر عمیق نگاہ ڈالی جائے، تو سب کی جڑیں اقتصادی نظر آئیں گی عہد حاضر میں معاشی بدحالی اور نکبت کی روز افزوں ترقی کے پیش نظر ناگزیر ہے۔ کہ دنیا کی نجات کے لئے اور انسانی عظمت کے لئے کسی ایسے مثالی اقتصادی نظام کی تلاش کی جائے جو معاشی ناہمواریوں کو بیک قلم دور کر دے۔ اب تک دنیا میں جس قدر اقتصادی نظام کھنگالے گئے ہیں، انہوں نے زیریں و بالا اور خواجہ اور مزدور کی باہمی آویزش کو نازک تر کر دیا ہے۔ معاشی تفرقات زیادہ گہرے ہو گئے ہیں۔ کوئی طبقہ سدرہ

نشین ہے۔ تو کوئی زیر زمین ہے۔ اس عظیم تفاوت نے امن عالم کے لئے دائمی خطرے کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس عالمگیر اضطراب اور تشویش کا واحد سبب اقتصادی مساوات کا فقدان ہے۔ غیر فطری تقسیم دولت کا دنیا آجتک کوئی حل نہیں سوچ سکی۔

اسلام نے آج سے چودہ سو برس پہلے ایک فطری قانون پیش کیا تھا محنت و سرمایہ کا توازن، خرید و فروخت میں منافع کی حد بندی، دیگر ضروری قوانین، غریبوں، مزدوروں، یتیموں، بیواؤں، محتاجوں کی آئے دن بڑھتی ہوئی ہمہ گیر مشکلات کا حل اسلام کے نظام معاشی میں موجود ہے۔ دولت عادلانہ طریق سے تقسیم ہو کر سب لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔ غریبی و مفلسی، افلاس و فاقہ مستی ختم ہو کر خوشی و فارغ البالی، اطمینان و سکون کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

مغرب کے ایک مشہور ماہر اقتصادیات نے دنیا کے معاشی نظامات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے۔ کہ معاشیات صرف دولت کمانے کے ڈھنگ ہی نہیں سکھاتی بلکہ فی الحقیقت وہ انسان اور اس کے محرکات کا مطالعہ ہے۔ علاوہ بریں معاشیات کو اخلاق کی عینک سے دیکھنا غلط بینی ہے۔ علم معاشیات کو اخلاقیات سے کوئی لگاؤ نہیں۔

اصول معاشیات کا یہی بنیادی عقیدہ معاشی بد حالیاں اور پستیاں کا ذمہ دار ہے۔ اسلام اس کی ضد پیش کرتا ہے۔ وہ اسلامی دنیا کے سامنے اس حقیقت کو روشن کرتا ہے۔ کہ اقتصادیات کی جڑیں جب تک اخلاقی نہ ہوں اس کی صحت اور افادیت تصوّرِ محض کے برابر ہے۔ اسی لئے دنیا میں جتنے اقتصادی نظام قائم ہوئے ہیں۔ ان سے دولت کمانے کے جائز طریقے۔ اسکی جائز کھپت اور مساوی تقسیم ہرگز پیدا نہیں ہوتی۔ اسلام نے جو معاشی نظام پیش کیا ہے۔ اس کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ اور وہ فطرت کے سارے سلیم مطالبات بدرجہ اتم پورا کرتا ہے۔

اب ہم اصولِ معاشیات کو مختصراً بیان کرتے ہیں:-

اکتسابِ زر

اسلام انسان کو کھلی آزادی دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی ہمت اور قابلیت سے جس قدر چاہے دولت کمائے۔ مگر چند پابندیاں ضرور عائد کی ہیں۔ یعنی معاشی ذرائع کی پرکھ کے لئے حلال اور حرام کی کسوٹی مقرر کر دی گئی ہے۔ اکتسابِ زر کے لئے جو ذرائع جائز ہیں۔ وہ حلال متصوّر ہوں گے، اور جو ناجائز ہیں۔ وہ حرام۔ اوّل الذکر کے لئے عام اجازت ہے۔ اور موخرالذکر کے لئے عذاب اور عتاب مقرر ہے۔ مثلاً منشیات کی خرید و فروخت حرام ہے۔ رقص و سرود۔ زنا کاری اور سٹہ بازی

سے کسب معاش کرنا بھی حرام ہے۔ حرام وحلال کی یہ حدِ فاصل اسلامی نظام کو دوسرے نظاموں سے ممیز کرتی ہے۔ علاوہ بریں جب کوئی فرد کسی دوسرے فرد کی ایذارسانی اور حق تلفی سے روپیہ کماتا ہے۔ اسلام ایسے زر کو قطعاً حرام قرار دیتا ہے۔ رشوت، چوری اور قمار بازی حرام ہیں۔ اور ہر وہ سوداگری حرام ہے جس کی بنیاد دھوکے اور فریب پر ہو۔ غلہ اور اناج کو منفعت بڑھانے کی خاطر روکنا حلال نہیں، ان تمام باشان اصولوں کو بروئے کار لانے کے بعد معاشی نابرابری کہاں نظر آسکتی ہے؟ اور قومی اخلاق کی پستی کیونکر نمودار ہو سکتی ہے۔

اکتنازِ زر

اسلام اکتنازِ زر کے خلاف ہے چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے
"وہ لوگ جو اس زندگی میں سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔ انہیں دوسری زندگی میں ان کے ساتھ ہی عذاب دیا جائے گا۔"

اکتنازِ زر کے معنی دولت کے خزانوں کا محدود افراد کے پاس جمع ہو جانا ہے۔

عہدِ حاضر کی بدحالی اور معاشی بے چینی کا سب سے بڑا سبب اکتنازِ زر ہے۔ اس سے کاروبار انحطاط پذیر ہوتا ہے۔ اُجرت کار گھٹ جاتی ہے بیکاری بڑھ جاتی ہے۔ اس کے برعکس گردش زر ایک صحت مند اُصول ہے

اس سے کاروبار کو فروغ ملتا ہے۔ اور معاشی فارغ البالی میں اضافہ ہوتا ہے یورپ کے اقتصادی نظاموں کی بنیادی خرابی یہی ہے۔ کہ چند ارباب دولت تو مہاجن بن جاتے ہیں۔ اور مفلس کی مفلسی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسلامی معاشی نظام گردش زر کے لئے مؤثر اقدامات کرتا ہے۔ اول قانونِ وراثت کے ذریعہ سے ایک کروڑپتی کا سارا سرمایہ اس کی وفات پر اس کے عزیز و اقارب میں جو اس کے جائز وارث ہیں، تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور ایک فرد ساری دولت کا واحد مالک نہیں ہو سکتا۔

صرفِ زر

اسلام نے روپے کے خرچ پر وہ عمدہ پابندیاں لگائی ہیں۔ جن سے معاشی بدحالی کا مؤثر علاج ہو سکتا ہے۔ مسلمان اپنی کمائی ہوئی دولت کا مالک تو ضرور ہے۔ مگر اس میں بے لگام تصرف کا حق نہیں رکھتا۔ اسراف و تبذیر کی تمام شکلیں اسلام میں ممنوع ہیں۔ سامان تعیش کو ممنوع قرار دیا ہے۔ رقص و سرود کی محفلوں پر روپیہ خرچ کرنا حرام قرار دیا۔ زنا کاری، قمار بازی وغیرہ پر صرف کرنا سخت حرام قرار دیا ہے۔

صرفِ زر کے ان منفی پہلوؤں کے بعد ایجابی پہلوؤں پر نگاہ ڈالیے۔ اسلام زرِ فاضل کو امورِ خیر پر صرف کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مدارس سے کھولنے یتیم خانے بنانا۔ شفاخانے کھلوانا سب امورِ خیر میں داخل ہیں۔ اور اس عمل خیر کے

سے ثوابِ عظیم کی بشارت قرآن کریم میں موجود ہے۔

احتکار (ذخیرہ اندوزی)

ذخیرہ اندوزی کی لعنت اور اس کے اثرات گذشتہ عالمگیر جنگ اور اس کے بعد کے زمانہ میں اتنے الم نشرح ہو چکے ہیں، کہ ان کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

احتکار کا حکم صرف غذائی اشیاء کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ حدیث کے الفاظ میں حرمت کی علت، دوا، کپڑا اور زندگی کی دیگر لازمی ضروریات میں بھی موجود ہے۔

زکوٰۃ

اسلام کے معاشی نظام کا نظریہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ رزاقِ عالم اور رزاقِ مطلق ہے اسلام چاہتا ہے۔ کہ دنیا میں کوئی بھی رزقِ خدا سے محروم رہے۔ فلسفہ معاش کا سنگِ بنیاد زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ وہ رقم ہے۔ جو صاحبِ استطاعت افراد سے لے کر غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر فرض کیا ہے۔ کہ وہ اپنی دولت میں سے ایک سال کے بعد کم از کم اڑھائی فیصدی یعنی چالیسواں حصہ کسی غریب رشتہ دار، کسی فقیر، کسی مسکین، کسی نو مسلم، کسی مسافر یا کسی قرضدار شخص کے لئے دے دے۔ زکوٰۃ اس قسم کی رقم نہیں ہے۔ جو آج کل حکومتیں اپنی رعایا سے وصول کرتی ہیں۔ کیونکہ اس

قسم کے جتنے ٹیکس عوام سے وصول کئے جاتے ہیں۔ وہ ان منافع اور فوائد کے معاوضہ میں لئے جاتے ہیں۔ جو عوام کو حکومت کی سرگرمیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن زکوٰۃ وہ ٹیکس ہے۔ جو محض غریبوں کی مالی اعانت کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ اس کے مصارف بھی معین کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی زکوٰۃ کی رقم صرف غریبوں کی مالی امانت میں صرف کی جاسکتی ہے۔ لیکن دوسرے مصارف میں نہیں لگائی جاسکتی۔ مثلاً حکومت زکوٰۃ کا روپیہ سڑکوں اور پلوں کی تیاری، آبپاشی اور ریلوں کے قیام میں صرف نہیں کرسکتی۔ بلکہ یہ رقم محض غریبوں اور محتاجوں کے لئے وقف ہوتی ہے۔

فریضہ زکوٰۃ کے ذریعے سے معاشرتی اور تمدنی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا۔ اور ثابت کر دیا کہ دنیا میں اس فریضہ کی بدولت کوئی غریب نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہد کا واقعہ ہے۔ کہ صحابہ کرام اپنی دولت سے زکوٰۃ نکال کر محتاجوں اور فقیروں کو دینے کے لئے نکلتے تھے تو ہر طرف سے یہ صدا آتی تھی۔ کہ ہمارے ہاں تو خود ہی مال و دولت پڑا ہے۔ خود کسی صاحب حاجت کی تلاش میں ہیں ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ یہ ہے اسلامی قانونِ معاش کی برکت، اور یہ ہیں۔ اس کے اثرات جن پر اسلام تمام عالم کو چلانا چاہتا ہے۔ تاکہ فقرا اور مساکین اس قدر خوشحال اور فارغ البال ہو جائیں۔ کہ ان کی ذہنیت میں ایسا انقلاب آجائے۔ کہ وہ خود فقیروں اور غریبوں کی

تلاش میں اپنی زکوٰۃ اور صدقات کے دینے سے سرگرداں رہنے لگیں۔ ظاہر ہے کہ جس اصول اور جس نظام کی یہ برکتیں ہوں۔ وہاں چوری، ڈاکہ، خیانت، دغابازی اور اس قسم کی امن شکن بدکرداریاں کیوں ہونے لگیں۔

اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ انسانوں کی کوئی جماعت بغیر باہمی امداد و اعانت کے دنیا میں کسی قسم کا رتبہ اور شرف حاصل نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دنیا کے تمام مصلحین اور تمام مذاہب نے باہمی ہمدردی اور بھائی چارے پر زور دیا ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کے ذریعہ سے محبت و اخوت کا ایک مضبوط اور نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم کر دیا ہے۔

بیت المال

بیت المال اسلام کے معاشی نظام کا رکنِ اعظم ہے۔ اور اپنی جگہ پر ایک مستقل ادارہ ہے۔ جو قوم کے تمام افراد کی واجبی ضروریات کا کفیل ہے۔

بیت المال کا نظم ہوتے ہوئے نہ بیمہ کمپنیوں اور ان کی پالیسیوں کی ضرورت ہو گی اور نہ سودی کاروبار میں روپیہ لگانے کی، انسان ان "احتیاطی تدبیروں" کی طرف اس لئے مائل ہوتا ہے۔ کہ بیماری اور بڑھاپے کے لئے کوئی معاشی سہارا پیدا کر سکے۔ یا موت کے بعد چھوٹے بچوں کی خبر گیری و کفالت کا انتظام کر سکے جب اسے یقین ہو گا کہ بیت المال اس کی اور اس کے بچوں کی تمام ضروریات کا کفیل ہو گا۔ تو وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے احکام کے خلاف ناروا

اور غیر منصفانہ معاشی اداروں کی طرف رُخ نہیں کرے گا۔

بیت المال میں زکوٰۃ کے علاوہ زرعی زمینوں اور تجارتی مالوں کے ٹیکسوں اور دیگر جائز ذرائع کا روپیہ جمع ہوتا ہے۔

مُسلمان کی فوقیت

مسلمان کو دیگر اقوام کے افراد پر خاص فوقیت حاصل ہے۔ وہ ان سے اعلیٰ، افضل اور برتر ہے۔ اس فوقیت اور برتری کی وجہ یہ ہے۔ کہ مسلمان توحید پرست ہے ؎

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

مسلمان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان رکھتا ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اقرار سے مسلمان کی زندگی پر کیا اثر ہوتا ہے!

۱۔ یہ کلمہ انسان میں انتہا درجہ کی خودداری اور عزتِ نفس پیدا کر دیتا ہے۔ مُسلمان جانتا ہے۔ کہ صرف ایک خدا تمام طاقتوں کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی نفع اور نقصان پہنچانے والا نہیں۔ کوئی رزق دینے والا نہیں۔ کوئی مارنے اور جلانے والا نہیں۔ یہ علم اور یقین مسلمان کو خدا کے سوا تمام قوتوں سے بے نیاز اور بے خوف کر دیتا ہے۔ اس کی گردن کسی مخلوق کے آگے نہیں جھکتی اس کا ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلتا۔

۲۔ اس کلمہ پر ایمان لانے والا کبھی تنگ نظر نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ایک ایسے خدا کا قائل ہے۔ جو زمین اور آسمان کا خالق، مشرق و مغرب کا مالک، اور تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس لئے مسلمان کی ہمدردی، محبت اور خدمت غیر محدود ہو جاتی ہے۔

۳۔ توحید پرست مغرور اور متکبر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ منکسر المزاج ہوتا ہے۔ اپنی قوت اور دولت اور قابلیت کا گھمنڈ اس کے دل میں سما ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے خدا ہی کا دیا ہوا ہے۔

۴۔ توحید پرست سمجھتا ہے۔ کہ دنیا اور آخرت میں صرف عملی نیکی اور پرہیز گاری ہی کام آئے گی۔

۵۔ توحید پرست کسی حالت میں بھی مایوس اور دل شکستہ نہیں ہوتا۔ وہ ایسے خدا پر ایمان رکھتا ہے۔ جو زمین اور آسمان کے خزانوں کا مالک ہے۔ جس کا فضل و کرم بے حد و بے حساب ہے۔ اس لئے اگر مسلمان پر دنیا کے تمام دروازے بند ہو جائیں۔ تو بھی وہ ایک خدا کے سہارے پر نئی اُمیدوں کے ساتھ کوشش پر کوشش کئے جاتا ہے۔

۶۔ توحید پرستی انسان میں اولوالعزمی، صبر اور توکل کی ایک زبردست طاقت پیدا کر دیتی ہے۔ مسلمان خدا کی خوشنودی کے لئے دنیا میں بڑے سے بڑا کام انجام دینے کے لئے کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے۔ کہ اس

کی مدد پر زمین و آسمان کے بادشاہ کی قوت ہے۔ یہ خیال اس میں پہاڑ کی سی مضبوطی پیدا کر دیتا ہے۔ اور دنیا کی ساری مشکلات اور مصیبتیں اور طاغوتی طاقتیں مل کر بھی اس کو اپنے عزم سے نہیں ہٹا سکتیں۔

۷۔ توحید پرستی انسان کو بہادر بنا دیتی ہے مسلمان نہ تو جان و مال کی پرواہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جان و مال کا مالک خدا کو سمجھتا ہے۔ اور اس کی خوشنودی کے لئے سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ دوسرے وہ جانتا ہے۔ کہ جان لینے کی قدرت کسی انسان، حیوان بلکہ ساری خدائی میں نہیں ہے۔ اور موت کا وقت مقرر ہے اس سے پہلے دنیا کی تمام قوتیں مل کر بھی چاہیں تو کسی کی جان نہیں لے سکتیں اس لئے مسلمان جب خدا کی راہ میں لڑنے کے لئے نکلتا ہے۔ تو اس میں وہ بے پناہ قوت ہوتی ہے کہ طاغوتی طاقتیں اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں

۸۔ توحید پرستی، حرص و ہوس اور رشک و حسد کے رکیک جذبات کو دل سے نکال دیتی ہے۔ مسلمان سمجھتا ہے۔ کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی حد تک جائز کوشش کرتا ہے۔ اور کامیابی اور ناکامی کو خدا پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور دنیاوی طاقتوں کی مدد یا مخالفت کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے رشوت، خوشامد وغیرہ سے کام نہیں لیتا۔

۹۔ توحید پرست خدا کے قانون کا پابند ہو جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ خدا ہر چھپے

کھلے گناہ کو دیکھتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے دل کی گہرائی میں بھی کوئی بُرا خیال پیدا نہیں ہونے دیتا، اور اپنے آپ کو خدا کے احکام کا مطیع بنا دیتا ہے۔ جس چیز کو خدا نے حرام کیا۔ وہ تنہائی میں بھی اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔ اور جس حکم کی بجا آوری کا اسے حکم ملا وہ بلا چون و چرا دنیاوی قانون کی گرفت سے بے نیاز ہو کر اسے بجا لاتا ہے۔

مسلمان کے اوصاف

اسلام سے پہلے عربوں کی حالت ہر پہلو سے ناگفتہ بہ تھی۔ وہ لاتعداد قبیلوں میں منقسم تھے۔ ہر قبیلہ کا علیحدہ قائد اور علیحدہ خدا تھا۔ ان کی خانہ جنگیاں، جہالت، فسق و فجور، گندی معاشرت اور وحشیانہ رسمیں بطور ضرب المثل مشہور ہیں یہ ایک معجزہ تھا۔ کہ اسلام نے ان میں وہ اوصاف پیدا کر دیئے، کہ ان کی کایا ہی پلٹ گئی۔ انہوں نے دنیا کو رواداری، محبت اور اخلاق حسنہ کا درس دیا۔ مردہ علوم و فنون کو از سر نو زندہ کیا۔ وحشی یورپ اور افریقہ کو تہذیب و تمدن سے روشناس کیا۔ ازمنۂ وسطیٰ کی تاریکیوں میں علم و فلسفہ اور آزادیٔ خیال کی روشنی پھیلائی۔ ان کے فتوحات کا نہ رکنے والا سیلاب دیکھتے ہی دیکھتے مصر، ایشیائے کوچک، شام ایران، ہندوستان، افریقہ، اٹلی، سسلی، اندلس، پرتگال اور جنوبی فرانس تک پہنچ گیا۔ اگرچہ ان ملکوں میں پرانی تہذیبیں کمال کو پہنچ چکی تھیں۔ لیکن وہ تہذیبیں اسلام کی تہذیب کے آگے سرنگوں ہو گئیں۔

وہ اوصاف کیا تھے؟ یہ وہی اوصاف ہیں۔ جن کی رسولِ خدا نے تعلیم

دی، پھر ان پر خود عمل کر کے دکھایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضورؐ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ حضورؐ کا خلق قرآن تھا یعنی قرآن میں جن بلند اخلاق کا ذکر ہے وہ عملی صورت میں حضورؐ کی زندگی میں موجود تھے۔

دنیا میں ترقی و سربلندی کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم اپنے آپ میں یہ اوصاف پیدا کریں۔ جن کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔

مسلمان اللہ کے حقوق ادا کرتا ہے یعنی اللہ کو اپنا واحد معبود مانتا ہے۔ اس کے پیغمبروں کو تسلیم کرتا ہے۔ رسالت محمدیؐ کا اقرار کرتا ہے۔ نماز۔ روزہ، حج زکوٰۃ کا پابند ہوتا ہے۔ مسلمان حلال کی کمائی سے اپنا اور متعلقین کا پیٹ پالتا ہے۔

مسلمان کوئی ایسا کام نہیں کرتا۔ جس سے دوسروں کے حقوق اور فوائد کو نقصان پہنچے مثلاً چوری نہیں کرتا جعل و دغا سے کام نہیں لیتا۔ رشوت اور خیانت سے پرہیز کرتا ہے۔ پرائی عورت کو نہیں دیکھتا۔ سود نہیں کھاتا، شراب نہیں پیتا لوٹ مار نہیں کرتا۔ جھوٹ نہیں بولتا۔ بہتان اور غیبت سے بچتا ہے۔ جوا اور اس کی تمام شکلوں سے پرہیز کرتا ہے۔ فرقہ بندی، عناد و فساد سے احتراز کرتا ہے۔

مسلمان اپنے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے۔ ان کے سامنے اف تک نہیں کرتا۔ اپنے تمام رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا ہے ہمسایوں کے جان و مال اور آبرو کا محافظ ہوتا ہے۔

مسلمان اچھے کاموں کی نصیحت کرتا ہے۔ اور بُرے کاموں سے روکتا ہے

دوسرے مسلمان کی ہمیشہ بھلائی چاہتا ہے۔

کوئی بیمار ہو جائے، تو اُس کی عیادت کو جاتا ہے۔

کوئی فوت ہو جائے، تو اس کے جنازہ میں شریک ہو جاتا ہے۔

مسلمان یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کی مدد کرتا ہے۔

دوستوں اور آشناؤں کو تحفے اور ہدیے بھیجتا ہے۔

کوئی دعوت دے تو بخوشی قبول کرتا ہے۔

مسلمان مہمان یا مسافر نواز ہوتا ہے۔ ان کی خاطر و تواضع میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا

کوئی مشورہ طلب کرے۔ تو نہایت ہمدردی سے نیک مشورہ دیتا ہے۔

غرضمند کی غرض پوری کرتا ہے۔

کسی کے خلاف بدگمانی نہیں کرتا۔ بلکہ حسنِ ظن سے کام لیتا ہے۔

مسلمان منکسر المزاج بلکہ عجز و فروتنی کا پیکر ہوتا ہے۔ غرور و تکبر سے نفرت کرتا ہے

خوش پوش، خوش خلق اور خوش کردار ہوتا ہے۔

کسی کا تمسخر نہیں کرتا۔

دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے۔

دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

جانوروں پر بھی رحم و شفقت کرتا ہے۔

غیر مسلموں کے بزرگوں اور ان کے مذہب کو برا نہیں کہتا۔ بلکہ ان کے ساتھ رواداری اور فراخدلی کا سلوک کرتا ہے۔ اور شرافت و اخلاق کا ایسا نمونہ پیش کرتا ہے۔ کہ غیر مسلموں کے دل میں بھی ملت اور اسلام کا احترام پیدا ہو جاتا ہے۔

کوئی ظلم کرتا ہے۔ تو مسلمان اسے روکتا ہے۔ کوئی مظلوم ہوتا ہے۔ تو اس کی حمایت کرتا ہے۔

وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

مساوات و ایثار کو فخر سمجھتا ہے۔

مسلمان ہر کام محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے۔ اسے اپنی شہرت اور دوستوں میں سربلندی مقصود نہیں ہوتی۔

سپاہیانہ زندگی

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا (اقبالؔ)

انگریز کے دورِ حکومت میں فوج کا محکمہ سول کے محکمہ سے الگ تھلگ تھا یعنی فوجی تربیت صرف انہی لوگوں کو دی جاتی تھی۔ جنہیں محکمہ فوج میں کام کرنا ہوتا تھا۔ عام شہریوں کو نہ صرف فوجی تربیت سے بیگانہ رکھا جاتا تھا۔ بلکہ لڑائی میں کام آنے والا کوئی ہتھیار بھی رکھنے کی عام اجازت نہ تھی۔ اس لئے عامۃ الناس ضرورت کے وقت جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر اسلامی حکومت میں ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر شہری سے اُمید رکھی جاتی ہے کہ جہاد کے وقت وہ ہتھیار سنبھال کر میدان جنگ میں نکل آئے۔ دوسرے لفظوں میں اسلامی ریاست میں ہر مسلمان ایک فوجی سپاہی ہوتا ہے۔

انگریز کے وقت میں بھی پاکستان کی فوج دُنیا کی بہترین فوج قرار

دی گئی تھی۔ جس کا تجربہ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم میں ہو چکا ہے مغربی پاکستان کے باشندوں نے بری اور مشرقی پاکستان کے باشندوں نے بحری لڑائیوں میں خصوصی شہرت حاصل کی اور ہماری فوج کے سپاہیوں نے ان جنگوں میں وہ وہ کارہائے نمایاں کئے کہ دُنیا کے ہر ملک و قوم کو یہ ماننا پڑا کہ بلا شک و شبہ پاکستان کے سپاہی دنیا بھر میں بہترین سپاہی ہیں۔ اور کسی ملک یا قوم کی دوگنی چوگنی فوج بھی ان بہادروں کے آگے نہیں ٹھہر سکتی۔

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستانی فوج کے سپاہیوں کی ہمتوں اور قابلیتوں میں مزید اضافہ ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ انگریز کی حکومت میں سپاہی ملازمت کی خاطر لڑتا تھا۔ اب اسے اپنے ملک و قوم کی خاطر لڑنا ہے۔ جب وہ ملازمت کی خاطر لڑ کر دُنیا کا بہترین سپاہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ تو اب خدا کی خاطر کیا کچھ نہیں کر سکتا؟ اگر پہلے وہ تین چار گنی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ تو اب اس کے مقابلہ میں کونسی فوج ٹھہر سکتی ہے؟ مسلمان پیدائشی مجاہد اور مادر زاد سپاہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جہاد کا حکم دیکر ہر مسلمان پر سپاہیانہ زندگی کو لازم کر دیا ہے۔

جس طرح ایک مسلمان دوسری اقوام کے افراد پر فوقیت رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان سپاہی کو بھی دوسری اقوام کے سپاہیوں پر فوقیت حاصل ہے۔ دوسری اقوام کے سپاہیوں کا مطمحِ نظر صرف جنگ میں کامیابی حاصل کرنا ہوتا

ہے۔ مگر مسلمان سپاہی حصولِ رضائے الٰہی کی خاطر لڑتا ہے۔ کیونکہ جہاد ملک فتح کرنے یا شہرت حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا جاتا، بلکہ جب طاغوتی قوتیں انصاف وانسانیت کا خون کرنے پر تُل جاتی ہیں تو مسلمانوں کی طرف سے جہاد کا اعلان ہوتا ہے۔ خواہ یہ جنگ مدافعتی ہو یا جارحانہ۔

نہیں لڑتا مسلمان اپنے عزّوجاہ کی خاطر
حیات و مرگ مومن ہے فقط اللہ کی خاطر (فضل)

ایک حکیم کے قول کے مطابق ایک مسلمان سپاہی حسبِ ذیل اوصاف کا حامل ہوتا ہے:۔

۱۔ مسلمان مجاہد دل کا قوی، ہمت کا بلند اور ارادے کا پختہ ہوتا ہے۔

۲۔ مسلمان مجاہد جسم کا صعوبت کش، محنتی اور مضبوط ہوتا ہے۔

۳۔ شجاعت اور بہادری کے ساتھ ہی مصائب کا صبر اور عزم کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

۴۔ عیش پرستی اور راحت طلبی سے متنفر ہوتا ہے۔ سستی اور کاہلی سے کوسوں دور رہتا ہے۔

۵۔ سادہ لباس اور سادہ خوراک کو پسند کرتا ہے۔

۶۔ اپنی ضروریاتِ زندگی کو بہت ہی محدود و مختصر کرتا ہے۔ عیش و راحت کے سامان کو موجبِ فخر نہیں سمجھتا۔ اور دولت واقتدار میں کسی کو حقارت

کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

۷۔ اپنے ایمان اور اسلام کے لئے جان کو قربان کر دینے پر ہمیشہ آمادہ رہتا ہے۔ خدا کے سوا کسی سے کبھی نہیں ڈرتا۔

۸۔ اپنی جان پر جفا برداشت کر کے دوسروں کو راحت پہنچاتا ہے۔ اور ایثار کو اپنا شعار بناتا ہے۔

۹۔ بزدلی ونامردی کو کسی حالت میں بھی اپنی طرف منسوب نہیں ہونے دیتا اور جان کے خوف سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا۔

قضا کی گود میں پل کر جواں تیار ہوتا ہے
محافظ قوم کا دیں کا علم بردار ہوتا ہے

۱۰۔ وعدہ خلافی اور دھوکا بازی سے کبھی کام نہیں لیتا۔

۱۱۔ مسلمان سپاہی کسی حالت میں بھی راز افشا نہیں کرتا۔

۱۲۔ نظم وضبط کا بے حد پابند ہوتا ہے۔ کیونکہ مذہبی طور پر بھی اس کی تعلیم و تربیت اس طریق پر ہوتی ہے۔ حتےٰ کہ جب وہ اپنے خالق کی عبادت کے لئے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ اس وقت بھی اسے نظم وضبط ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ اور اطاعتِ امیر کا پابند ہوتا ہے۔

اب چونکہ ہم ایک آزاد ملک کے باشندے ہیں۔ اور ہم میں سے ہر ایک نے سپاہی بننا ہے۔ اس لیے ہمیں مندرجہ بالا اوصاف پیدا کرنے ضروری ہیں۔

روزمرّہ زندگی

حضورِ نبی اکرم صلعم تمام صفات حسنہ کاملہ سے متصف اتمام صفاتِ حسنہ کے معلم اور ہر شعبہ زندگی میں بنی نوع انسان کے لئے نمونہ تھے۔ آپ کی زندگی ہمارے لئے مشعلِ راہ اور عین شریعت ہے۔ آپ نے جو نمونہ معاشرت اور طرزِ ماندو بود پیش کیا تھا۔ آج ہمیں بھی اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

قرآنِ کریم کی تعلیم عملی طور پر آپ کی روزمرہ زندگی میں نظر آتی تھی۔ گویا آپ قرآنِ کریم کی تعلیم مجسم تھے۔

سادگی اور اخلاص آپ کے عادات و خصائل کی رُوح تھی۔ آپ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔ اپنی بکریوں کا دُودھ خود دوہ لیتے تھے۔ کپڑوں پر پیوند خود لگا لیتے۔ اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے۔ جھاڑو دے لیتے، اپنے اونٹ کو خود باندھتے اور اس کے آگے گھاس ڈالتے۔ بازار سے اپنا سودا خود خرید لاتے۔ بلکہ دوسروں کو بھی خرید کر لا دیتے۔ آپ کے کسی کام میں تکلف نہ تھا۔ جب آپ مجلس میں تشریف لاتے تو پسند نہ کرتے کہ صحابہؓ آپ کی تعظیم کو کھڑے ہوں۔ مجلس میں کبھی

پاؤں پھیلاکر نہ بیٹھتے۔ جو کوئی مل جاتا اسے سلام پہلے خود کرتے۔ مصافحے کے لئے خود پہلے ہاتھ پھیلا دیتے۔ کسی کی بات کبھی قطع نہ فرماتے۔ کوئی غلام بھی آپ کی دعوت کرتا تو اس کے یہاں چلے جاتے، اور غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے۔ جب مجلس میں بیٹھتے تو اپنے صحابہ میں اس طرح ملے جلے بیٹھتے کہ کوئی نو وارد آتا تو اُس کو پوچھنا پڑتا کہ نبی صلعم کہاں سے ہیں۔

جب لوگ کسی بات پر ہنستے، تو آپ بھی ان کے ساتھ مسکراتے۔ کھانے کی جو چیز سامنے آتی، اگر کھانے کے قابل ہوتی تو کھا لیتے۔ کھانے کے قابل نہ ہوتی تو نہ کھاتے۔ لیکن اس میں نقص نہ نکالتے، عموماً صرف ایک ہی کھانا کھاتے آپ نفاست پسند تھے، میلے برتن میں کھانا نہ کھاتے۔ سڑی ہوئی بدبودار چیز نہ کھاتے، ایسی چیز جس کے کھانے سے منہ بدبودار ہو جائے، نہ کھاتے۔

آپ کا لباس سادہ ہوتا۔ ریشمی لباس مردوں کے لئے ناپسند کرتے۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن لیتے، مگر غلیظ و بدبودار کپڑے نہ پہنتے۔ مسواک کا استعمال کرتے اور منہ کو صاف رکھتے۔ خوشبو کا استعمال بھی فرما لیتے، ہر وقت خندہ پیشانی رہتے۔ بے تکلف بات چیت کرتے۔ اپنے صحابہؓ سے خوش طبعی بھی کر لیتے، تعلّی کی باتیں نہ کرتے، اپنے دوستوں کے بچوں کو گود میں لیتے، ان کو پیار کرتے بعض اوقات بچے آپ پر پیشاب کر دیتے۔ مگر آپ کے چہرہ پر شکن نہ آتا۔ دوستی کی ہمیشہ قدر کرتے، دوستوں کا پاس و لحاظ رکھتے۔ اگر کسی شخص کی کوئی حرکت آپ

کو پسند نہ آتی تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے۔ بلکہ عام الفاظ میں اس حرکت فعل کی نہی فرما دیتے۔ جھوٹ سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ جھوٹ بولنے والوں کو بڑی نفرت کی نظر سے دیکھتے، خطاؤں کو معاف کر دیتے۔ اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہ لیتے۔ جہاں شریروں کو سزا دینا ہی مناسب اور موجب اصلاح ہوتا۔ وہاں سزا بھی دیتے۔

آپ کی منصف مزاجی اور عدل کا یہ حال تھا۔ کہ یہود و نصاریٰ بھی اپنے معاملات و مقدمات میں آپ ہی کا حکم تسلیم کرتے۔ ایک مرتبہ آپ کسی جنگل میں تھے۔ کھانا تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ تو سب کو ایک ایک کام سپرد کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں ایندھن کے لئے لکڑیاں چن کر لاتا ہوں۔ جنگِ احزاب میں مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی۔ تو دس دس آدمیوں میں اس خندق کے ٹکڑے کئے گئے۔ آنحضرت صلعم بھی ان خندق کھودنے والوں میں شامل تھے۔ اور اوروں سے زیادہ کام کرتے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں بھی آپ بھی بنفس نفیس سب کاموں میں شریک تھے آپ نے ساری عمر میں کبھی کسی نوکر یا عورت کو نہیں مارا۔ انس بن مالک نے دس سال تک مدینہ میں آنحضرت صلعم کی خدمت کی۔ اس عرصہ میں کبھی ان سے یہ نہ کہا کہ یہ کام کیوں کیا۔ یہ کیوں نہ کیا۔ کسی سائل کو بھی نفی میں جواب نہیں دیا۔ سائل کو کبھی ردّ نہ فرماتے زبانِ مبارک پر حرفِ انکار نہ لاتے۔ اگر کچھ بھی دینے کو پاس نہ ہوتا۔ تو سائل سے عذر کرتے۔ گویا کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔ خود بھوکے رہ کر اور تکلیف اٹھا کر بھی

بھی سائل کے سوال کو پورا کر دیتے۔ یتیموں۔ بیواؤں، بیکسوں کی آپ جائے پناہ تھے آپ پر جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی، اسے آسانی سے برداشت کر لیتے۔ مگر دوسروں کی مصیبت دیکھ کر بے چین ہو جاتے۔ مظلوم کی حمایت پر فوراً تیار ہو جاتے کسی دوست کی بیماری کا حال معلوم ہوتا۔ تو فوراً عیادت کو جاتے۔ اور کوئی فوت ہو جاتا، تو جنازہ کے ساتھ جاتے تھے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ خود بھوکے سوتے اور گھر میں جو کھانا ہوتا۔ مہمان کو کھلا دیتے۔

آپ نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی۔ جس کو سمجھانا ہوتا، نرمی اور محبت سے سمجھاتے۔ حضور اکثر خاموش رہتے تھے۔ بلا ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے، جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے۔ سخت کلامی کو آپ ناپسند کرتے، آپ کی امانت، صدق اور راستبازی کی یہ حالت تھی۔ کہ سارے عرب میں "الامین" کے نام سے مشہور تھے نام لے کر کسی کا عیب بیان نہ کرتے۔ باوجود سادگی اور بے تکلفی کے ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے مطابق سلوک کرتے، دشمن کا خوف کبھی آپ کے دل میں جاگزیں نہیں ہوا مایوسی کبھی آپ کے پاس نہیں پھٹکتی تھی۔ کسی شخص کو اس کی تنگدستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا کرتے تھے۔ کسی بادشاہ کو بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہ جانتے۔

جب آپ تمام ملک عرب کے بادشاہ تھے تو آپ کے گھر کا سامان ایک چارپائی جس پر کھجور کی موٹی چٹائی بچھی رہتی تھی۔ اور ایک پانی کی ٹھلیا تھی۔ کئی کئی دن آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی۔ صرف کھجوروں پر زندگی بسر کرتے تھے بعض راتیں آپ کو فاقہ سے گزارنی پڑتی تھیں

ہمارے اسلاف

اسلام محض چند عقائد و عبادات کے رُوکھے پھیکے مسائل کا نام نہیں ہے۔ بلکہ روحانی و مادی تمام ترقیوں کا پورا پورا کفیل و ضامن ہے۔ ہمارے اسلاف نے اس کا عملی ثبوت بہم پہنچایا ہے، اور انھوں نے تمام مفید علوم و فنون میں دیگر قوموں کی رہنمائی کی ہے۔ سَو سال کی غلامی نے ہمارے تخیل کو بدل دیا ہے، اور ہم اپنے اسلاف کی سنہری روایات تک بھُول گئے ہیں۔ ہماری قوتوں پر ایک جمود کی سی کیفیت طاری ہے اب چونکہ ہم آزاد ہیں، اور ہمیں زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کرنی ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلاف کے چند کارناموں کا مختصر حال بیان کر دیا جائے، تاکہ ثابت ہو جائے کہ مغربی اقوام نے جو موجودہ زمانے میں دنیا پر چھائی ہوئی ہیں۔ ہمارے اسلاف ہی سے علوم و فنون سیکھے۔

جس زمانے میں یورپ جہالت، فسق و فجور اور ظلم و تعدّی کی تاریکیوں میں سرگرداں تھا، خانہ جنگیوں کا بازار گرم تھا۔ اس زمانہ میں اندلس

صقلیہ اور اطالیہ کے ممالک شاہانِ اسلام کے زیرِ سایہ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے سرچشمہ بن چکے تھے، وہاں پر جہالت کو ایک عیب سمجھا جاتا تھا۔ امیر و غریب ہر کس و ناکس کے دل میں حصولِ علم کا ایک والہانہ جوش اور زبردست اشتیاق پیدا ہو چکا تھا، ان مسلمانوں کی ہمہ گیر قابلیت اور علمی ترقیوں نے ایک عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دکھا تھا۔ سینکڑوں عظیم الشان کتب خانے اور متعدد بلند پایہ دارالعلوم قائم کیے گئے۔

ابنِ خطیب قرطبی نے علم مابعد الطبیعات تاریخ، طب پر گیارہ سو کتب تصنیف کیں۔ ابن حسن نے فلسفہ اور فقہ پر چار سو کتابیں لکھیں۔ صرف و نحو، فلسفہ، جغرافیہ، علم النفس، علم طب، علم الادویہ، علم الاجساد علوم نباتات و حیوانات، ریاضی ہیئت غرضکہ کوئی شعبۂ حیات نہ تھا، جسے مسلمانوں نے اپنی مسلسل تحقیق و تجسس، کامیاب، محنت اور غور و فکر سے کمال تک نہ پہنچایا ہو۔ مسلمانوں نے پرانی کتب کے ترجمے عربی زبان میں کیے، اصل کتابیں ضائع ہو گئیں مگر ان ترجموں کی بدولت علوم زندہ رہے صدیوں عیسائی طلبا مسلمانوں کی یونیورسٹیوں میں حصولِ علم کے لیے آتے رہے۔ ریاضی، طبیعیات، فلسفہ، جیومیٹری، الجبرا اور علم الکلام کی تعلیم پاتے اور یورپ واپس پہنچ کر ان علوم کی تعلیم دیتے تھے۔

ریاضیات

اندلسی مسلمان زبردست ریاضی دان تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے مدتِ سال کی صحیح تعیین کی۔ ابو موسیٰ نویں صدی کا زبردست مہندس گزرا ہے۔ جس نے پہلے پہل علم ہئیت میں ریاضی کو دخل دیا۔ ابن کورع نے الجبرا کو جیومیٹری میں استعمال کیا۔ جبیر نے اعداد میں عربی حروف کا استعمال کیا۔ اور یورپ والوں نے موجد کے نام پر اس علم کو الجبرا کہا۔ گھڑی کی ایجاد کا فخر اسی ریاضی دان کو حاصل ہوا۔ کسور اعشاریہ کے قواعد اہلِ عرب نے مرتب کئے۔

البغدادی نے پیمائش کے اصول وضع کئے اور بحیرہ روم کا رقبہ نہایت صحت کے ساتھ معلوم کیا۔

خلیفہ مامون الرشید نے اپنے ایک درباری مہندس محمد بن موسیٰ سے ایک عام فہم اور مفصل کتاب اس مضمون پہ لکھوائی وہ مسائل ریاضی جن پر عربوں نے زیادہ توجہ دی، مختصراً یوں بیان کئے جا سکتے ہیں کہ بجائے جریب اور قطع کے مماس اور خط قاطع کا استعمال کیا۔ اقلیدس میں جبر و مقابلہ سے کام لیا۔ مساواتِ کعبی کا حل کیا۔ علم مخروطات میں تحقیق کی۔ علامت صفر کا اضافہ بھی مسلمانوں ہی نے کیا۔

طب اور شفا خانے

بعض لوگ یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ جراحی اور ہسپتال وغیرہ انگریزوں کے عہدِ حکومت کی یادگار ہیں لیکن تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن دنوں مسلمان اطباء اصول طبی و جراحی و حفظانِ صحت کے مطابق علاج کرتے تھے، اس کے پانچ صدی کے بعد تک یورپ وہمیات اور وحشیانہ جہالت میں گرفتار تھا۔ جب اسلام کے فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو ملک فتح کرنے کے لئے صرف فوج ہی نہیں جاتی تھی؛ بلکہ اس کے ہمراہ گشتی ہسپتال بھی جایا کرتے تھے۔ بنی امیہ کے تیسرے تاجدار ولید بن عبدالملک نے باقاعدہ شفا خانے کا سنگِ بنیاد رکھا۔ جو ۸۸ھ میں بن کر تیار ہوا۔ علامہ مقریزی کے قول کے مطابق یہ عالم اسلام کا پہلا شفا خانہ تھا۔ اس شفا خانے میں بہت سے اطباّ اور جرّاح مقرر ہوئے تھے۔ اس کے بعد ملک میں شفا خانے قائم کرنے کا عام چرچا ہوگیا۔ عہد عباسیہ میں دوسرے علوم و فنون کے ساتھ فنِ طب، فن جراحت اور شفا خانوں کے کام کو قابلِ مثال ترقی نصیب ہوئی

مسلمانوں کے عہد میں شفا خانوں کو جس قدر ترقی نصیب وہ آج بیسویں صدی میں بھی نظر نہیں آتی۔ مشہور مؤرخ جلّی نے اپنی شہرہ

آفاق تصنیف "عربوں کی تاریخ" میں لکھا ہے کہ بہت سے طبیب صرف اس لئے مقرر ہوتے، کہ جن جن چھوٹے قصبوں میں شفاخانے نہیں ہیں، وہ ان قصبات کا دورہ کریں۔ اور وہاں حسب ضرورت دو دو تین تین دن قیام کر کے بیماروں کا علاج کریں۔ ان طبیبوں کے ہمراہ مختصر سے گشتی دواخانے ہوتے تھے۔ آج مجلسی اور تہذیبی ترقی کے باوجود اکثر و بیشتر ممالک میں گشتی شفاخانوں کا رواج نہیں۔ مسلمانوں کے عہد میں جب تک کوئی شخص باقاعدہ طور پر امتحان پاس نہیں کرتا تھا اسے طبابت کرنے کی اجازت نہیں ملتی تھی۔

نویں صدی میں الرازی ایک مشہور ماہر علم کیمیا و طب گزرا ہے۔ جس نے پچاس سال تک بغداد میں مطب کیا۔ بخار اور اس کے مختلف اقسام اور علاج پر کئی کتب تصنیف کیں۔ کتاب الاطفال اپنی نوع کی پہلی کتاب تھی جو اس نے لکھی۔ تپ محرقہ میں ٹھنڈے پانی کا استعمال اس نے تحقیق کیا۔ مرض چیچک پر ایک کتاب لکھی مدت دراز تک یورپ کے مدارس میں الرازی اور بو علی سینا کی کتب بناء تعلیم رہیں۔ ابن سینا کی تصانیف کا ترجمہ تقریباً دنیا کی تمام زبانوں میں ہوا۔ مسلمانوں نے علم جراحی کو اوج کمال تک پہنچایا۔ ابوالقاسم نے

بارھویں صدی میں بہت سے آلات جرّاحی ایجاد کیے، اور اپنی کتابوں میں دانتوں اور آنکھوں کی جراحی بچّے جنانا۔ پتھری نکالنا اور ہڈی ٹوٹنے پر بحث کی ہے۔ ابن بیطار نے تین سو سے زائد دوائیاں لکھیں جو اس وقت تک نہ کسی فہرست میں آئی تھیں اور نہ کسی کو معلوم تھیں۔ ابن اسودی نے اپنی تصنیف میں بہت سی بوٹیوں کی تصویریں درج کیں۔

مسلمانوں نے یورپ کو گگلہ، املتاس، املی، صندل، سنا، ریوند چینی کافور، قرنفل، ادرک، الائچی وغیرہ مفرد دواؤں کے علاوہ اکسیر شربت، معجون، یعنی مرکب دواؤں سے بھی آشنا کیا۔ چنانچہ یہ چیزیں یورپ کے بازاروں میں اب بھی عربی ناموں سے موسوم چلی آتی ہیں۔

جراحت :-

فنِ جراحت کے سلسلہ میں یوں تو بہت سے مسلمان جراحوں کے نام گنوائے جا سکتے ہیں، مگر حکیم ابوالقاسم الزہراوی کا نام سرِ فہرست ہے۔ یہ شخص اندلس کے مشہور شہر "الزھرا" کا رہنے والا تھا اور تعلیم سے فارغ ہو کر وہیں اپنا شفا خانہ کھول لیا اس نے سورج کی صحت بخش شعاعوں سے بھی بعض بیماریوں کو دور کرنے میں کامیابی حاصل کی، اسی نے امراضِ چشم کے سلسلہ میں سب سے پہلا اور کامیاب عمل

جراحی کیا۔ وہ دانتوں کی بیماریوں کا بھی زبردست ماہر تھا۔مثانے کی سالم پتھری کو عمل جراحی کے ذریعے نکالنے کا سہرا بھی اسی کے سر ہے۔زیادہ تکلیف دینے والے عمل جراحی سے قبل وہ ایک خاص بوٹی سے انسان کو بے ہوش کر دیتا تھا۔غرضیکہ مسلمانوں نے علم جراحی کو اوجِ کمال تک پہنچایا۔

چیچک کے ٹیکوں کو بھی مسلمان جراحوں نے رواج دیا۔

تاریخ

حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب میں بارہ سو مسلمان مؤرخین کے نام لکھے ہیں جنہوں نے شعبہ تاریخ میں اپنے وسیع علمی معلومات کے کمال دکھائے۔

نویں صدی میں طبری نے ایک تاریخ عالم مرتب کی جس میں ابتدائے عالم سے لے کر اس وقت تک کے مشہور واقعات درج کئے گئے تھے۔

چودھویں صدی میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مؤرخ علامہ ابن خلدون گذرا ہے۔ جو تاریخ کا پیغمبر کہا جاتا ہے۔کیونکہ وہ دنیا کا پہلا مؤرخ ہے۔جس نے فلسفہ تاریخ کی داغ بیل ڈالی۔یہی وہ پہلا مفکر تھا،جس نے تاریخ میں تنقید کے مستقل اصول اور کلیئے قائم کئے

واقعات کی تحقیق و تفتیش میں استقرار اور تقابل کو رواج دیا۔
واقعات ماضی کی ترتیب و تدوین کے لئے اسلوب سمجھائے، تاریخ
کو بادشاہوں اور امراء کے ایوانوں سے نکال کر عوام کے معمولی کچے
پکے مکانات کی بھی سیر کرائی۔ اس کے مقدمہ تاریخ کا اس وقت
بھی یورپ میں بہت چرچا ہے
مسلمانوں کے علم تاریخ کے ذوق کا یہ حال تھا کہ مشہور جانوروں
گھوڑوں، اونٹوں کے نسب اور نسل کی تاریخ قلم بند کی گئیں۔
البیرونی نے جو سلطان محمود غزنوی کا مشیر تھا۔ سفرنامۂ ہند
لکھا۔ یہ کتاب سیاست اور وسیع معلومات کے لحاظ سے بہترین مانی
گئی ہے۔

جغرافیہ

جغرافیہ عالم کی تحقیق و ترتیب میں بھی مسلمانوں نے کافی سے
زیادہ حصہ لیا۔ اس زمانہ میں جب مسیحی یورپ کرۂ ارض کو سطح تصور
کئے بیٹھا تھا۔ اسلامی دارالعلوم میں جغرافیہ کی تعلیم کے لئے عجیب
وغریب کرّے استعمال کئے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے دنیا کے دور دراز
ملکوں میں سفر کئے، اور وہاں کی آب و ہوا اور مشہور شہروں کے محل
وقوع قلم بند کئے۔

سلیمان ایک عربی تاجر نے سب سے پہلے چین کا سفر کیا۔ اس کا سفرنامہ سب سے پہلے چین کا سفر کیا۔ اس کا سفرنامہ سب سے پہلا عربی سفرنامہ ہے اور یہ پہلی کتاب ہے جو یورپ میں چین کے متعلق شائع ہوئی۔

مشہور مؤرخ مسعودی نے ۲۵ سال تک ممالک اسلامیہ اور قرب جوار کی سیاحت میں گزارے۔ اپنی کتاب مروج الذہب میں مختلف ممالک کی آب و ہوا، پہاڑ، دریا، سمندر، تقسیمات ملکی، شاہی خاندان وغیرہ تمام امور پہ تفصیل بیان کئے۔ ابن حوقل نے ۲۸ سال تک دنیا کا سفر کیا۔ مسلمان سیاحین میں ابن بطوطہ سب سے ممتاز ہے۔ جس نے چودھویں صدی کل روئے زمین کا سفر کیا۔

سب سے ممتاز عربی جغرافی ادریسی ہے۔ جس کی تصانیف نے یورپ میں جغرافیہ کا علم پھیلایا۔ ادریسی نے ۱۱۵۴ء میں پہلا جغرافیہ لکھا جو اتنا مکمل اور متعدد نقشہ جات اور واضح حقائق سے بریز تھا کہ تین صدی تک یورپ اس کی تعلیم پر قانع رہا۔

ادریسی نے اپنے مربی بادشاہ کے لئے ایک چاندی کا گلوب تیار کیا جس کا قطر چھ فٹ اور وزن ساڑھے پانچ من تھا۔

زراعت

مسلمانوں نے نہ صرف قلیل عرصہ میں ایک عالم گیر سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ بلکہ ملکی تسلط کے فوراً بعد مفتوحہ ممالک میں ہر ممکن ذریعہ ترقی و فلاح کے سوچنے اور بنائے تمدن کے استوار کرنے میں اپنے تمام قوائے ذہنی کو منعطف کر دیا۔ اندلس میں علمی و ادبی ترقیوں کے ساتھ ساتھ وہاں کی زمین کی پیداوار اور ذرائع آبپاشی پر غور کیا گیا۔ دُور دراز ممالک سے مفید پھلدار اور انواع و اقسام کے پودے منگوائے گئے، اور ان کی کاشت کے تجربات کئے گئے۔ نئی نئی کھادیں کام میں لائی گئیں اور جغرافیائی آب و ہوا کے اثرات پر غور کر کے بہترین فصلیں حاصل کی گئیں۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے اندلس کی بنجر اور ویران زمینیں سرسبز ہو گئیں۔ بے برگ و گیاہ میدانوں میں زیتون نارنگی، انجیر، انار کے باغات نظر آنے لگے اور پہاڑوں کے دامن سبزے سے ڈھک گئے۔

مسلمانوں نے ذرائع آبپاشی میں اضافہ کیا۔ نہروں، کنوؤں مصنوعی حوضوں، وسیع تالابوں، زمین دوز نہروں غرضیکہ ہر ممکن الوجود ذریعۂ آبپاشی سے زمین کے چپہ چپہ کو آباد کر دیا۔

باغات کی ترقی اور پھلوں کی بہتات کے لئے متعدد طریقے ایجاد کئے

گئے۔ جوہر، عرق، عطر نکالنے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ اندلس میں کئی ایک مدرسے قائم کئے گئے۔ جہاں زمینداری کی تعلیم دی جاتی جانوروں کی پرورش، نسل کشی، خواص ادویات، امراض و معالجات پر کتابیں لکھی گئیں۔ کاشتکاروں کے خانگی انتظامات اور دیہاتی زندگی کے قواعد و اصول بنا کر ہر بات میں صفائی، باقاعدگی اور خوش اسلوبی کی تلقین کی گئی۔ ابن بیطار نے علم زراعت پر کئی سو کتابیں لکھیں۔ جن میں نئے نئے دریافت شدہ پودوں کی نہایت خوبصورت، صحیح تصویریں جمع کی گئیں، اور اپنی ذاتی تحقیقات کی بنا پر قریباً دو ہزار پودوں کے وجود کا اضافہ کیا۔

مسلمان علمائے نباتات صحرا کے نخلستانوں، مصر و عراق کے سرسبز کھیتوں اور وسط ایشیا کے پہاڑوں، غرضیکہ ہر جگہ مصروف تحقیق و تفکر نظر آتے تھے۔

مسلمانوں نے اپنی لگاتار کوششوں کے باعث لیموں، کھجور، شہتوت انجیر، کیلا، انار، بادام، چاول، مرچ سیاہ، پالک، زعفران، قہوہ، کپاس اور گنا وغیرہ یورپ میں پہنچایا۔ کپاس۔ اب تک مغربی زبانوں میں اپنے عربی نام "قطن" سے مشہور ہے۔

علم حیوانات

مسلمانوں میں عام چوپائیں، عمدہ عربی النسل گھوڑوں کے پالنے، بھیڑ بکری کی نسل کشی، اور شہد کی مکھیوں کی پرورش کے بھی شغل پائے جاتے تھے۔ مرینہ بھیڑوں کو پال کر ان سے اُون حاصل کرتے اور نہایت نفیس اور گرم کپڑا "مرینہ" تیار کرتے تھے۔ ابو عثمان اور الاثیری کی تصانیف علم حیوانات کی نہایت مفید کتب تھیں۔ مسلمانوں کے دارالحیوانات میں دنیا بھر کے حیوانات اور عجیب وغریب پرندے جمع رہتے، جو نسل کشی کے تجربات اور تحقیق کے بہترین مراکز ثابت ہوتے

علم ہیئت

مسلمانوں نے نماز کے اوقات کا صحیح اندازہ لگانے اور چاند دیکھنے میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے علم ہیئت کو بہت ترقی دی۔

خلیفہ المامون کو اس علم سے خاص شغف تھا۔ اس کے عہد میں باقاعدہ رصد خانے بنائے گئے۔ مسلمانوں میں یہ علم اتنا مقبول ہوا۔ کہ ادنیٰ غلام سے لے کر سلاطین تک کامل فن استاد اور ماہر ہیئت پیدا ہوئے۔ ابو معشر کے غلام نے بہت سے دقیق مسائل حل کئے اور کئی ایک کتابیں لکھیں۔

مسلمانوں نے رصد گاہوں میں عجیب وغریب آلات ایجاد کئے یونان کے فلسفہ ہیئت کے باطل اصولوں سے انکار کیا اور ان کی تردید

کی۔ بغداد کے مدرسہ ہئیت کا قیام ۱۵۰ سال رہا۔

فنِ تعمیر

چشمِ فلک نے اس نگار خانۂ عالم میں ان گنت تماشے دیکھے۔ عظیم الشان سلطنتیں عالمِ وجود میں آئیں اور فنا ہو گئیں۔ سینکڑوں اقوام نے عروج کی بہاریں دیکھیں اور دیکھتے دیکھتے صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں بڑے بڑے باجبروت شہنشاہ اپنی بے پناہ طاقت اور ٹڈی دل افواج کو لے کر دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی شاہی اور خدائی کا بول بالا کر گئے۔ ان کے پردۂ موت میں روپوش ہوتے ہی زمانہ نے اپنی نگاہیں بدل لیں، وسیع حکومتیں برباد اور ساری جمعیتیں پریشان ہوئیں اور ان کا نام لیوا بھی باقی نہ رہا۔ مگر بایں ہمہ مٹی ہوئی سلطنتوں کی یادگاریں، برباد شدہ تہذیب و تمدن کے آثار، خاک میں ملی ہوئی دولت وحشمت اور طاقت کے نشانات، ایک مدت تک اگر باقی رہ گئے! تو وہ ان کی عمارتیں تھیں جو کہ اقوام عالم نے اپنے عروج کے زمانہ میں اپنی تہذیب کے صفحات پر مہر کر دیں۔

مسلمانوں نے اپنی وسیع سلطنت کے تمام ممالک میں ایسی بے نظیر اور عدیم المثال یادگاریں چھوڑیں کہ ان کی نفاست، نزاکت، دل رُبا طرزِ تعمیر اور پختگی آج بھی دنیا والوں کے لئے موجب صد حیرت واستعجاب

ہو رہی ہے۔ ہندوستان کا تاج محل، اندلس کا الحمرا اور دیگر نادر الوجود عمارات ہماری گزشتہ شاندار ترقی و تہذیب اور عظمت و شوکت کی یادگاریں ہیں۔ یہ عمارات ہماری شاندار تاریخ کے بکھرے ہوئے اوراق ہیں۔ افسوس کہ یہاں تفصیلات بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

علم کیمیا

کیمیا کے ساتھ مسلمانوں کو خاص شغف اور اس کی تحقیقات و تجربات میں دلچسپی اور ذوق تھا۔

عرب کا سب سے بڑا عالم کیمیا جابر ابن حیان تھا جو ۷۲۲ء میں پیدا ہوا۔ اس نے ارسطو کے نظریہ "فلزات" کی تردید کی۔ پارے اور گندھک سے شنگرف بنایا۔ فولاد تیار کیا۔ لوہے یا کپڑے کو پانی کے اثر سے بچانے کے لئے وارنش یا روغن تیار کیا۔ شورے کا تیزاب بنایا۔ کپڑا، چمڑا اور بال رنگنے کے لئے مختلف رنگ ایجاد کئے۔ یورپی علماء آج تک اس کے نام کا کلمہ پڑھتے ہیں۔

کیمیا کی تاریخ میں رازی بھی ایک غیر معمولی اہمیت کا مالک ہے۔ جو ساٹھ سال کی عمر میں ۹۲۵ء میں فوت ہوا۔ اس کی کتابوں میں پہلی مرتبہ کیمیائی مادوں، سازو سامان، تاثیر وغیرہ کا بیان باترتیب ملتا ہے۔

علم طبیعات

الحسن بصری جو ۹۶۵ء میں پیدا ہوا ایک عالی مرتبہ عالم طبیعات تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے اس امر کا انکشاف کیا کہ آنکھ سے کوئی روشنی نکل کر کسی چیز پر نہیں پڑتی۔ جس سے ہمیں وہ چیز دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ اس چیز کی شکل آنکھ میں آجاتی ہے۔ الحسن نے علم طبیعات پر پچاس کتب تصنیف کیں۔ البیرونی (۹۷۳ء تا ۱۰۴۸ء) اور الخزینی نے بھی بیش قیمت خدمات سرانجام دیں۔ گیسوں کے پیدا کرنے کی ترکیبوں اور نسخوں کو مسلمانوں نے سب سے پہلے بیان کیا۔

صنعت و حرفت

مسلمانوں نے صنعت و حرفت کے ہر شعبہ میں انتہائی ترقی کی معدنی اشیاء کے ڈھالنے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ ضروریات زندگی کی چیزیں مثلاً برتن، گلدان، چاقو، چراغ، فانوس اور اسی نوع کی سینکڑوں دیگر اشیاء، وہ پیتل تانبے اور لوہے کو ڈھال کر بناتے تھے اور ان پر نہایت لطیف، باریک اور خوشنما نقش و نگار بناتے تھے۔ اسلامی ممالک کے اسلحہ خانوں کے ہتھیار مہذب دنیا میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ خود اور زرہ پر نہایت باریک کام کیا جاتا اور تلواروں کے قبضوں اور میان پر اعلیٰ نقش و نگار اور مرصع

کاری کی جاتی۔ شیشہ گری اور پچی کاری۔ مختلف زیورات کے بنانے میں کمال حاصل تھا۔ مہر کنی میں کافی دسترس تھی۔

فن کوزہ گری کو کمال پہ پہنچایا۔ مشرقی بغداد میں صرف چینی کے برتنوں کا ایک بازار تھا جہاں علاوہ چینی کے ظروف کے موم، چمڑا، مچھلی کی ہڈیاں، اُون۔ فرنیچر اور اسلحہ جات فروخت ہوتے ہیں۔ چمڑے کے خوبصورت پردے تیار کئے جاتے تھے۔ جن پر عجیب وغریب سنہری پھول بنائے جاتے تھے۔ چمڑے کی دباغت اور رنگائی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ مراکش کے چمڑے کی نزاکت، خوبصورتی اور پائداری آج بھی زبان زدِ خلائق ہے۔

اندلس کے مشہور شہر غرناطہ میں نفیس ریشمی کپڑے کے لاتعداد کارخانے تھے۔ ان کپڑوں کو یورپ کے عیسائی بادشاہ کمال حیرت سے تکتے تھے اور زیبِ تن کرتے۔

آبدار آہنی صندوق اور مضبوط قفل بنائے جاتے تھے قیمتی اور خوشبودار لکڑی کی اشیاء، یہ آبنوس، کچھوے کی کھوپڑی، ہاتھی دانت اور موتیوں سے نہایت خوبصورت کام کیا جاتا تھا۔ سونے چاندی سیسہ اور لوہے کی کانیں کامیاب طریق پر کھودی گئیں۔ اندلس کے مختلف حصص میں کارخانے موجود تھے۔ کرسیاں، صوفے اور کئی قسم کی پرتکلف، قیمتی اور اعلیٰ

دو نشستیں بکثرت استعمال میں لائی جاتی تھیں۔

اندلس میں آٹھ سو ریشم کے کارخانے تھے جن میں کم و بیش ۱۶۰۰۰ کاریگر کام کرتے تھے۔ مطلا اور مذہب کپڑے تیار ہوتے تھے بے نظیر قالین بنائے جاتے تھے۔ چینی کے برتنوں کے کارخانے تھے۔ چمکدار شیشے کی پھولدار اشیاء بنتی تھیں۔

مسلمانوں نے آبی گھڑیاں اور پن چکیاں بنائیں۔ خلیفہ ہارون الرشید نے عیسائی بادشاہ شارلیمان کو ایک آبی گھڑیال بطور تحفہ بھیجا۔

تجارت:

جہاز سازی اور جہاز رانی میں بھی مسلمانوں نے کافی ترقی کی۔ سمندر پر ان کا قبضہ تھا۔ مسلمانوں ہی نے سب سے پہلے قطب نما کی مدد سے دنیا کے دور دراز حصوں میں حصول علم اور تجارت کی غرض سے سفر کیے۔ سمندروں اور صحراؤں میں تجارت کی غرض سے محفوظ ترین راستے تلاش کیے گئے۔

مسلمانوں کی تجارت صرف بحری تجارت ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ ان کے شوق تجارت کے سامنے خشکی و تری یکساں تھی ان کے قافلے پوری بے خوفی اور سرعت کے ساتھ یورپ کے جنگلوں، حبش کے صحراؤں وسط ایشیا کے وسیع علاقوں اور ہندوستان کے میدانوں میں نظر آتے تھے۔ نامعلوم

سمندروں کے پوشیدہ خطرات، وحشی اقوام کی خونخوارانہ عادات صحرا کے بے پتہ راستے۔ دلدلوں کے زہریلے بخارات، غرضیکہ کسی قسم کے خطرات کو وہ خاطر میں نہ لاتے تھے۔

روس اور سویڈن میں تقریباً دس ہزار عباسی سکے پائے گئے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان ممالک کو عرب لاکھوں روپیہ کا مال برآمد کرتے تھے ایران میں شکر سازی صنعت اپنے کمال پر تھی، شام اور حلب کے آئینے شہرآفاق تھے، قالینوں کے علاوہ عرب سوتی کپڑے بھی تیار کرتے تھے۔ عربوں ہی نے سمرقند میں کاغذ کا سب سے پہلا کارخانہ قائم کیا۔

ہمارے فرائض

سبق پھر پڑھ اخوت کا، محبت کا، شرافت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

تمام کائنات، نباتات، جمادات، مویشی، چرند، پرند، زمین پانی، ہوا، سورج، تارے غرضیکہ تمام چیزیں خدا نے اس لئے

بنائی ہیں کہ ہم ان سے کام لیں اور زندگی بسر کرنے میں ان سے مدد لیں دنیا کی ہر چیز سے فائدہ اٹھائیں اور ان ذرائع کو بھلائی کے کاموں میں استعمال کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ تمام کائنات اور خزائن زمین تمہارے لئے ہیں۔ اس لئے ہمیں قدرت کے خزانوں کو تلاش کرنا اور خدا کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونا ہے۔ فطرت کی زیادہ سے زیادہ گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کرکے قدم آگے بڑھانا ہے۔ کسی اندیشہ سے مرعوب نہیں ہونا کسی زحمت کو خاطر میں نہیں لانا کسی تکلیف کا خیال نہیں کرنا کسی مشکل سے نہیں گھبرانا اور اپنے نصب العین تک پہنچ کر دم لینا ہے۔

ہمیں ارض و سما کی تخلیق پر غور و فکر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار مطالعہ کائنات کی ہدایت فرمائی ہے۔

ہمیں ہر علم کا مطالعہ صحیح نظر سے کرنا ہے، صحیح مقصد کے لئے کرنا ہے اور صحیح نتیجے پر پہنچنا ہے۔

ہمیں اپنی علمی، صنعتی اور عقلی کاوشوں اور حسن اخلاق سے دنیا کی کایا پلٹنی ہے۔

ہمیں پاکستان کے صنعتی و زراعی وسائل کو ترقی دے کر ملک کی غربت و افلاس کو دور کرنا ہے۔

ہمارا پاکستان ایک زراعتی ملک ہے۔ ہمیں اس پاک سرزمین سے زیادہ سے زیادہ فصل اُگانے کے لئے طرح طرح کی تدابیر سوچنی ہیں۔ آلات وضع کرنے ہیں۔ نئی نئی قسم کی کھادیں تیار کرنی ہیں۔ مویشیوں کی عمدہ نسل کشی پر غور و خوض کرنا ہے۔ ان امور کے لئے ہمیں قابل ترین ماہرینِ زراعت بننا ہے۔

زمین کو سیراب کرنے کے لئے مزید نہریں کھودنی ہیں۔ ٹیوب ویل لگانے ہیں۔ اس لئے ہمیں انجنیئرنگ کا فن سیکھنا ضروری ہے۔

پٹرول، کوئلہ اور دیگر معدنیات کو زمین سے نکالنا اور ان کو زندگی میں استعمال کرنا عین اسلام ہے۔ ہمارے پاکستان میں یہ معدنی دولت موجود ہے۔ ہمیں ان سے استفادہ کرنا ہے اور طبقات الارض کی چھان بین کے لئے ماہرین پیدا کرنے ہیں۔

تعلیم کی اہمیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے؟ رسول خدا صلعم نے کفار قیدیوں سے یہ فدیہ لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ ایک جلیل القدر صحابی کا قول ہے کہ علم سیکھو۔ اس سے خدا کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے اس کی تلاش عبادت ہے۔ اس کا پڑھنا پڑھانا تسبیح ہے۔ اس میں تحقیق کرنا جہاد ہے۔ اپنے رشتہ داروں کو علم سکھانا احسان اور سلوک ہے۔ تنہائی کا مونس ہے، دین کا رہنما ہے۔ تکلیف و مصیبت میں صبر عطا کرنے والا ہے۔

اللہ۔ اس کی بدولت قوموں کو بلند کرتا ہے۔ تمام لوگ نیکی اور بھلائی میں ان کی پیروی کرتے ہیں" ہمیں اس دولت سے مالا مال ہونا ہے۔ فوری ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ہم کوشش کر کے اپنے ان پڑھ بھائیوں کو معمولی لکھنا پڑھنا ہی سکھا دیں۔

ہمیں تاریخ، جغرافیہ، طبیعات، کیمیا، ریاضیات، معاشیات، ارضیات، سیاسیات، حیاتیات، حیوانات۔ انسانیات، ادب و فلسفہ اور مذہب غرضیکہ تمام علوم پر حاوی ہونا ہے۔ کیونکہ علم کے بغیر ہم دنیا کی امامت کے قابل نہیں ہو سکتے۔

ہمیں اپنے اسلاف کی علمی مذہبی، تہذیبی، اخلاقی تابدار روایات کو زندہ کرنا ہے۔ ہمیں اپنے اخلاق اپنے اسلاف کے سانچے میں ڈھالنے ہیں۔ ان کا حوصلہ ان کی درگذر، ان کی سیر چشمی، ان کا پاس عہد۔ ان کا عزم مردانہ، ان کی حق گوئی ان کا توکل علی اللہ اور ان کا ایمان باللہ پیدا کرنا ہے۔

ہمیں سائنس کے ذریعے سے قدرت کے قوانین کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ کائنات کے چھپے ہوئے خزانوں کو نکالنا ہے۔ زمین و آسمان میں جتنی چیزیں ہیں ان سے کام لینے کے بہتر سے بہتر طریقے دریافت کرنے ہیں اور سائنس کو تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے استعمال کرنا ہے۔ ہمیں سائنس کی ہر شاخ کے ماہرین پیدا کرنے ہیں۔ نئی نئی ایجادات کرنی ہیں۔ نئے نئے انکشافات

کرنے ہیں۔

اسلام کا مقصد امن قائم کرنا ہے۔ اسلام کے معنی ہی سلامتی و صلح کا مذہب ہے۔ یہ امن تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب ہمارے پاس طاغوتی طاقتوں کو صحیح راہ پر لانے کے لئے ان سے ہزار گنا طاقتور ہتھیار ہوں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔" اے مسلمانو! تم وہ ہیبت پیدا کرو، اللہ تمہارے اصطبلوں میں گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوں کہ اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن تمہارا نام سن کر غش کھا جائیں۔"

پاکستان کے بحری بیڑہ نے دنیا کی تمام طاقتوں کو زیر کرنا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے۔ جب ہمارا مہیب سمندری بیڑا ہر چہار طرف پھیلا ہوا ہو اس کے لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ بحری جہاز تیار کرنے ہیں۔

پاکستان کے ہوائی بیڑہ نے کرۂ ارض کی ہوا پر حاوی ہونا ہے اس لئے ہمیں طاقتور ہوائی بیڑہ بنانا ہے۔ قائد اعظمؒ کا ارشاد ہے کہ جس ملک کے پاس مضبوط ہوائی بیڑہ نہیں وہ ہر وقت دشمن کے رحم و کرم پر رہتا ہے ہوا کل پر قبضہ آج کی فوجی طاقت میں بحری بیڑے اور افواج کی نسبت زیادہ اہم ہے

ہمیں تجارتی جاہ جلال کا سکہ بحر و بر پر جمانا ہے اور دنیا دی بلندی در فعت میں ہمارا دوش ثریا ہونا ہے۔

ہمیں ثابت کرنا ہے کہ مسلمان دنیا میں اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ حسن اخلاق

اور شرافت اور نیکی کا بہترین نمونہ بنے اور اپنے اصولوں سے دلوں کو تسخیر کرلے۔

ہمیں ثابت کرنا ہے کہ اسلام محض عقائد و عبادات کے چند رُوکھے پھیکے مسائل کا نام نہیں ہے۔ اسلام درحقیقت نام ہے۔ انسانی زندگی کے ایک اٹل نظام کا۔ وہ نظام جو انسان کی روحانی اور مادی تمام ترقیوں کا سرچشمہ ہے جو اعلیٰ اور برتر اصول توحید، اخوت، مساوات، انصاف، آزادی اور خدمت خلق کا حامل ہے۔ اسلام نہ صرف روحانی ترقی کا پیام لے کر اس دنیا میں آیا ہے بلکہ وہ ایک وسیع ملکی نظام زندگی بھی اپنے ساتھ لایا ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ بنی نوع انسان کی امن و سلامتی اور روحانی و مادی تمام ترقیوں کا پورا پورا کفیل و ضامن ہوگا۔

ہمیں ثابت کرنا ہے کہ مسلمان ایک خدائے قدوس کا غلام ہوتا ہے ہر لمحۂ زندگی میں خدا کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے بعد والدین کی اطاعت فرض سمجھتا ہے۔ رشتہ داروں اور ہمسایوں سے عمدہ سلوک کرتا ہے۔ مساوات و ایثار کو اپنا فخر سمجھتا ہے۔ مظلوم کی مدد اس کا شیوہ ہوتا ہے۔ حاکم بن کر محکوم کی خدمت کو عزت اور فرض خیال کرتا ہے۔ انسانوں پر آقا بن کر حکومت نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا غلام بن کر حکمرانی کرتا ہے۔

ہمارے ہر فردِ ملت کو اپنا فرض پہچان کر اس کی ادائگی کی کوشش کرنا

ہے ہمیں حتی المقدور عوام کو یہ سمجھانا ہے کہ پاکستان ہماری میراث ہے اس کا استحکام ہمارا فرض ہے۔ ہمیں اس کو بامِ ترقی پر پہنچانے کے لئے انفرادی اور اجتماعی کوشش کرنا ہے

ہمیں ثابت کرنا ہے کہ اسلام ایک ایسی مشعل ہدایت ہے جو جادۂ مستقیم سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو فسق و فجور، ظلم و عدوان، خونریزی و غارتگری درندگی، بدامنی و بے چینی کے مہیب و تاریک غاروں سے نکال کر راہ راست پر لا سکتی ہیں۔

ہمیں پہلے خود مسلمان بننا ہے اپنے دل و دماغ اور قلب و جگر کی تمام آلودگیوں کو دور کرنا ہے۔ پھر عالم اسلام کو خواب غفلت سے جگانا ہے کیونکہ قطعہ ارضی کی تمام طاغوتی طاقتیں اسے اپنا جور و ستم کا تختہ مشق بنائے ہوئے ہیں پھر اس کے بعد روے زمین پر بسنے والی تمام اقوام کی اصلاح کرنی ہے۔

عالم انسان کی موجودہ بدحالی، تلاش امن میں اس کی سرگردانی پُر سکون اور راحت و فرحت سے لبریز زندگی کے لئے بے قراری اور اس کی تمدنی معاشی اور اقتصادی مشکلات ایک عذاب کی صورت اختیار کر چکی ہیں اور جن کو سلجھانے سے مغرب کے ارباب حل و عقد کے دماغ جواب دے چکے ہیں

ہمیں ثابت کرنا ہے کہ زمانہ حال کی اقتصادی معاشی تمدنی غرضیکہ ہر قسم کی مشکلات اور مصائب و آلام کا حل صرف اسلام ہے۔ اسلامی نظام ہی

حقیقی معنوں میں امن و سلامتی اور خوش حالی کا ضامن ہے۔

ہمیں سرمایہ داری اور کمیونزم کے بھنور میں پھنسی ہوئی دنیا کے سامنے اسلام کا جامع و عالم گیر اور اعتدال پسند نظام حیات رسول عربیؐ کا لایا ہوا ہر لحاظ سے مکمل اور آخری ضابطۂ زندگی، زندہ جاوید اور عملی شکل میں پیش کرنا ہے تاکہ اللہ کی مخلوق اس کے سایۂ رحمت میں پناہ لے اور آئے دن کی ٹھوکروں اور گمراہی و تباہی سے بچ جائے۔

ہمیں اپنی روزمرہ زندگی میں اسلامی طرزِ عمل کو رواج دے کر پاکستان کو کامیاب بنانا ہے ہمارے سامنے زندگی کا مکمل ضابطۂ حیات موجود ہے ہمیں اس پر عمل پیرا ہو کر اسلامی روایات کی تجدید کرنی ہے اور صحیح اسلامی تہذیب و تمدن سے پاکستان کو اوّل نمبر کی سلطنت بنا کر دنیا کی بھولی بھٹکی ہوئی قوموں کی رہنمائی کرنی ہے!!

اسلام زندہ باد! پاکستان پائندہ باد!!

[م ج ھ ر ل]